الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارکپور

ستمبر ۲۰۱۰ء

علم کی اہمیت کا مسئلہ ایسا متفق علیہ ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں، جاہل سے جاہل بھی علم کو بڑی اہم اور عظیم دولت سمجھتا ہے، دنیا کا علم بھی عزت و اقتدار کا ضامن ہے، چہ جائے کہ علم دین، کہ یہ دولتِ عظمیٰ اور عظمت کبریٰ ہے جو انسان کو اشرف المخلوقات اور ممتازِ کائنات بناتی ہے، مگر علم پر عامل ہونا شرط ہے۔ (از: حضور حافظ ملت)

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ
مبارکپور

زیرِ سرپرستی

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

شوال ۱۴۳۱ھ — ستمبر ۲۰۱۰ء

جلد نمبر ۳۴ شمارہ ۹

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 15 روپے

سالانہ: 150 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر — 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ — 250149

الجامعۃ الاشرفیہ — 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ 500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نقوشِ قلم

قرآن کا سورج جب مطلع دنیا پر طلوع ہوا تو اس کی ضیا بار کرنوں سے صرف جزیرہ عرب ہی نہیں بلکہ دنیا کی بیش تر آبادی جگمگا اٹھی۔ حقیقت کی متلاشی روحیں اس چشمۂ صافی سے اپنی پیاس بجھانے لگیں۔ اس کی فطری تعلیمات اور حیات بخش پیغام نے عرب و عجم میں پھیلے تمام طبقاتِ انسانی کو یکساں متاثر کیا۔ لیکن حیاتِ انسانی پر قرآنی تعلیمات کے ان نتیجہ خیز ہمہ گیر اثرات کو یہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ آسمانی صحیفے کا ایک قدرتی معجزہ تھا، جس سے لوگ طبعی طور پر مسحور ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ نہیں، ایسا ہر گز نہیں ! بلکہ قرآن کے تعلق سے بنی نوع آدم کے لیے جو چیز وجہ کشش بن سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وحیِ الٰہی کے باعث قرآن ایک ایسا جامع دستورِ حیات ہے جو دنیاوی ترقی اور اخروی نجات کے اعتبار سے انسان کی پوری زندگی کو منظم اور مستحکم کرتا ہے۔ اس کے اندر انسان کے تمام علمی، فکری، اقتصادی، تہذیبی مادّی اور روحانی مسائل و معاملات آ جاتے ہیں۔ قرآن کے قانونِ فطرت اور اسلام کے دینِ فطرت ہونے کا یہی مطلب ہے کہ یہ دین ہمیشہ فطرتِ کائنات اور قانونِ موجودات سے ہم آہنگ رہتا ہے۔ قرآن ایک ایسا نظامِ زیست ہے جو انسانوں کو توہمات کے اندھیرے سے نکال کر ایمان و یقین کے اجالے میں کھڑا کر دیتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں ابن آدم کو خیر و فلاح کی دعوت دیتا ہے۔ یہ قرآن ہی تھا جس نے فرد کے ضمیر کو خرافات اور غیر اللہ کی بندگی سے آزاد کیا اور سسکتی ہوئی انسانیت کو اس جبر و تشدد سے نجات دلائی جو معاشرتی نظام کی خرابیوں سے پیدا ہو گیا تھا۔

غرض کہ توحیدِ خالص، شرک سے اجتناب، اصلاحِ عقائد، درستیِ اعمال، شورائی نظام، عدل و مساوات، انسانی حقوق کی پاس داری، قومی یک جہتی اور امن و سلامتی، یہ وہ بنیادی اوصاف و خصوصیات ہیں جو قرآنِ مقدس کو موجودہ الہامی و غیر الہامی کتاب سے منفرد اور ممتاز کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی قرآن کے پاکیزہ اصول اور الہامی ضوابط ہیں جنھیں الفاظ کے دامن میں سمیٹا نہیں جا سکتا۔

قرآنِ مقدس کے حوالے سے اتنی لمبی چوڑی تمہید کا مقصد صرف دنیا والوں کو یہ باور کرانا ہے کہ جس قرآن نے دہشت گردی کا خاتمہ کر کے دنیا کو امن و امان کا گہوارہ بنایا، عدل و مساوات، انسانی حقوق اور رحم و مروّت کو فروغ بخشا، انسانیت کو تہذیب و تمدن اور جینے کا ہنر سکھایا، کیا وہ اسی بات کا مستحق ہے کہ اس کی بے حرمتی کی جائے؟ آزادی کی جائز حدود پھلانگتے ہوئے معاذ اللہ اسے نذرِ آتش کیا جائے؟ ایک عام کتاب کے ساتھ بھی اس قسم کا سلوک نہیں کیا جاتا، چہ جائے کہ ایک مذہبی کتاب کے ساتھ ایسا گھٹیا سلوک کیا جائے! شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

قرآن کے تعلق سے مشہور غیر مسلم مفکر "مسٹر آسٹین لین پول" کی یہ چشم کشا منصفانہ تحریر مغربی سماج کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ ہے جو اس الہامی کتاب کو دہشت گردی کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ لین پول کہتا ہے: "قرآن نے دنیا کو اعلیٰ اخلاق تعلیم دی، علوم حقائق سکھائے، ظالموں کو رحم دل اور وحشیوں کو پرہیز گار بنا دیا۔ اگر یہ کتاب شائع نہ ہوتی تو انسانی اخلاق تباہ ہو جاتے اور دنیا کے باشندے برائے نام انسان رہتے۔"

بھوپیندر ناتھ باسو لکھتے ہیں: "حقیقی جمہوریت کا ولولہ، رواداری اور مُساوات کی خوبیاں اس قرآن نے دنیا کے ہر گوشے میں پھیلا دیں۔"

آج مغربی دنیا جس عدل و مساوات اور جمہوریت و رواداری کا نعرہ بلند کر رہی ہے، یہ دراصل مندرجہ بالا قرآنی تعلیمات کی صدائے بازگشت ہے۔ تاہم مغرب کے ان خوش نما نعروں کی حیثیت زبانی جمع خرچ سے زیادہ کچھ نہیں۔ ان کے یہ بلند بانگ دعوے صرف اپنے مفادات کی روٹیاں سینکنے کا ایندھن ہیں۔ عملی زندگی میں ان اصولوں کا نفاذ صرف مغربی اقوام پر ہوتا ہے۔ مشرقی اقوام بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ ہر طرح کا جبر و تشدد اور ناانصافی روا ہے! ع: پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات۔

بہر کیف! قرآنِ مقدس کی یہی وہ خوبیاں تھیں کہ دینِ اسلام ایک قلیل مدت میں دنیا کے بیش تر حصوں میں پھیل گیا۔ سلیم الفطرت

انسانوں نے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کیا اور اسلام کا پٹہ اپنی گردن میں ڈال کر ہمیشہ کے لیے اسلامی وحدت میں ضم ہو گئے۔ مگر برا ہو چشم عیار اور عقل بد اندیش کا! قرآن کی یہ فطری تعلیمات باطل قوتوں کو راس نہ آئیں اور پھر یہیں سے ہدایت و ضلالت اور اسلام و کفر کے درمیان معرکہ آرائی شروع ہو گئی اور آج حال یہ ہے کہ اسلام اور قرآن کے خلاف تمام طاغوتی طاقتیں ایک بینر تلے جمع ہو چکی ہیں اور ان کافر طاقتوں میں یہود و نصاریٰ سرفہرست ہیں، جن کے ہاتھوں میں آج عالمی قیادت کی باگ ڈور ہے اور بین الاقوامی قیادت کی یہی فرعونی سوچ ان ظالم قوموں کی دہشت گردانہ کارروائیوں کی بنیاد ہے۔

یہودیت سے قطع نظر میں یہاں صرف دینِ مسیح کے علم بردار عیسائیوں کے مکر و فریب، ظلم و ستم اور موجودہ ارہابی کارروائیوں سے متعلق کچھ عرض کرنا چاہوں گا..... اسلامی تاریخ کے دورِ اول سے اربابِ تثلیث کا یہی مکروہ کردار رہا ہے کہ جس طرح ممکن ہو اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ دہر سے مٹا دیا جائے یا مسلم قوم کو ذہنی و نفسیاتی اعتبار سے اتنا مفلوج کر دیا جائے کہ وہ ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے۔ مسیحی پالیسی ساز اداروں کے ہر جائز و ناجائز فیصلے کے سامنے اپنا سر اطاعت خم کرے ورنہ اس کا خوف ناک انجام بھگتنے کے لیے تیار رہے۔

اس تناظر میں جب ہم ماضی کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں تو مسلمانوں پر عیسائی مظالم کی دل ہلا دینے والی ایک طویل داستان نظر آتی ہے اور موجودہ دور کا حال نگاہوں کے سامنے ہے۔ ادھر چند دہائیوں سے صلیبی جنگوں کا جذبۂ انتقام لے کر اٹھنے والے عیسائیوں کا یہ معمول بن چکا ہے کہ وہ عسکری قوت کے بل بوتے یا تو مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان پہنچاتے ہیں یا پھر امن مخالف کسی ایسے گھنونے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں جو مسلمانوں کی حمیتِ دینی اور غیرتِ ایمانی کو چیلنج کر سکے۔ امریکہ کی قیادت میں مسلمانوں کو جسمانی اذیت کے ساتھ ذہنی و نفسیاتی اذیت پہنچانے کا مجرمانہ سلسلہ آج پورے شباب پر ہے۔ مسیحی ممالک میں اسلام مخالف فلموں کی نمائش، فرضی قرآن "الفرقان الحق" اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو داغ دار بنانے کے لیے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت، اس سلسلے کی افسوس ناک کڑیاں ہیں۔ بلکہ اب تو مسلمانوں کے خلاف نفسیاتی حربے زیادہ استعمال کیے جا رہے ہیں، کیوں کہ جسمانی اذیت تو مرورِ ایام اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ ختم ہو جایا کرتی ہے، مگر ذہنی و نفسیاتی اذیت ایک ناسور کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور انسانی ضمیر کو بار بار جھنجھوڑتی اور کچوکے لگاتی ہے۔

عَلَم بردارانِ دینِ مسیح کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ جب تک امتِ مسلمہ کے سینے میں قرآن کی عظمت باقی رہے گی اس پر فتح پانا ناممکن ہے۔ ۱۸۸۲ء میں برطانیہ کا وزیر اعظم "مسٹر گلیڈ اسٹون" دار العوام میں قرآن مجید ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوا اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "جب تک یہ کتاب (قرآن) مصریوں کے پاس موجود رہے گی ہم ان کے علاقے میں نہیں جم سکتے۔"

یہ ایک زمینی سچائی ہے کہ آج قرآن کی پرکشش تعلیمات کی روشنی عیسائیت کی تاریک کوٹھریوں میں بڑی تیزی سے داخل ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نئے اسلام قبول کرنے والوں میں بیش تر دینِ مسیح سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس پس منظر میں مسٹر گلیڈ کا یہ جملہ پوری مسیحی دنیا کے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہا ہے اور ساری مشنری توانائی قرآن کے اس روحانی سیلاب کو روکنے پر صرف کی جا رہی ہے اور قرآن پر تابڑ توڑ حملے کیے جا رہے ہیں۔ ان حملوں کا مقصد امتِ مسلمہ کے دلوں سے قرآن کی عظمت کو ختم کرنا ہے، کیوں کہ قرآن ہی مسلمانوں کی مادی و روحانی طاقت کا اصل منبع ہے۔ جب مسلم معاشرے سے قرآن کی عظمت، دینی ولولہ اور ایمانی حرارت ختم ہو جائے گی، مسلمان خود بخود قابو میں آ جائیں گے اور آسانی کے ساتھ ان پر غلبہ پا لیا جائے گا۔ اس پالیسی پر عیسائی معاشرے میں بڑی سختی کے ساتھ عمل ہو رہا ہے اور خصوصیت کے ساتھ امریکی عیسائیوں نے تو اس معاملے میں اپنے سابقہ سارے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔

«الناس علی دین ملوکھم.» کے مصداق آج امریکی ایوانِ حکومت کے اعلیٰ حکام سے لے کر عام رعایا تک سب اسلام و قرآن دشمنی میں انسانیت و مروت کی تمام حدیں پار کر چکے ہیں۔ قرآن مقدس کی بے حرمتی، اسلام مخالف بیانات، پیغمبرِ امن و اماں ﷺ کی ذاتِ پاک پر ناروا حملہ اور قرآن کریم کو نذرِ آتش کیے جانے کا معاملہ دن بہ دن زور پکڑتا جا رہا ہے۔ ابھی دو چار ماہ پہلے کی بات ہے کہ امریکہ کی ایک گستاخ خاتون نے سماجی رابطے کی ویب سائٹ «Face Book» پر شر پسند عناصر سے اپیل کی کہ وہ ہر سال ۲۰؍ مئی کے دن پیغمبرِ اسلام ﷺ کی کارٹون نما تصویریں بنا کر «فیس بک» کو روانہ کریں۔ چناں چہ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مغرب کے کچھ شر پسندوں نے ۲۰؍ مئی کو گستاخانہ کارٹون بنانے کا دن منایا۔ اس معاملے کو لے کر مسلم دنیا میں ایک سنگین اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی اور اس کے نتیجے میں جگہ جگہ عوامی

مظاہرے ہوئے۔ پاکستان میں «فیس بک» اور «یوٹیوب» سمیت ساڑھے چار سو ویب سائٹوں پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔

دو عشرہ قبل ایک عیسائی لڑکی نے اسلام دشمنوں کی ایک کانفرنس میں کھلے عام قرآن مقدس کو نذرِ آتش کیا، مگر اس مجرمانہ فعل کے خلاف امریکی حکومت نے کوئی سخت نوٹس نہیں لیا۔

ابھی حالیہ دنوں میں امریکہ کے بے مروت سماج میں پل کر جوان ہونے والے عیسائیوں نے «فیس بک» پر ایک نئی ویب سائٹ تیار کی ہے، جس کا نام «Everyday burn Quran» ہے یعنی ہر روز قرآن جلاؤ۔

قرآن کے خلاف مسیحی ریشہ دوانیوں کی یہ چند افسوس ناک جھلکیاں تھیں جو عیسائیوں کی ناپاک ذہنیت اور دہشت گردانہ سرشت کی رونمائی کرتی ہیں۔ لیکن قرآن مخالف ان تمام سرگرمیوں میں سب سے زیادہ خطرناک، تشدد آمیز اور جمہوریت کش وہ منصوبہ بند پروگرام ہے جسے عملی جامہ پہنانے کی تیاریاں گزشتہ چند ہفتوں سے جاری ہیں۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق امریکہ میں فلوریڈا چرچ ۱۱؍ ستمبر کے حملہ کی انتقامی مہم شروع کرنے والا ہے، جس میں معاذ اللہ قرآن کریم کے نسخوں کو نذرِ آتش کیا جائے گا اور ۱۱؍ ستمبر کا بدلہ ۱۱؍ ستمبر کو لیا جائے گا۔ اس جارحانہ مہم کی تیاری انٹرنیٹ پر بھی شروع ہو چکی ہے۔ «فیس بک» پر ایسی شرم ناک تصویریں اور مسلمانوں کے خلاف ایسے جملے ہیں کہ اللہ کی پناہ!

فلوریڈا کے چرچ نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کیا ہے کہ «۱۱؍ ستمبر ۲۰۰۱ء حملے کی برسی کے موقع پر قرآن کریم کو نذرِ آتش کر کے انتقام لیا جائے گا تاکہ اس حملے میں مرنے والوں کی روح کو سکون مل سکے۔»

عیسائی طبقے میں جہاں اس اعلان کا خیر مقدم کیا گیا ہے وہیں کچھ بدبختوں نے اپنی جانب سے قرآن کے چند نسخے چرچ کو روانہ کیے ہیں تاکہ اجتماعی طور پر انھیں نذرِ آتش کیا جا سکے۔ قرآن مخالف اس مہم کو کامیاب بنانے اور سندِ جواز فراہم کرنے کے لیے یہ ڈھنڈورا بھی پیٹا جا رہا ہے کہ «یہ چرچ کا فرض ہے کہ عیسائیوں کو اسلام کے خطرے سے چوکنا کرے۔» یہ جملہ اپنے مفہوم میں اتنا واضح ہے کہ کسی تبصرے کا محتاج نہیں۔ گویا تثلیث کے پجاری دبے الفاظ میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ۱۱؍ ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ مسلمانوں کی جانب سے ہوا اور قرآن کی بدولت ہوا۔ سچ کہا گیا ہے «ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں»۔

کیا اب بھی امریکہ کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ۱۱؍ ستمبر کا حملہ یہودی سازش کا نتیجہ تھا۔ اگر یہ دعویٰ غلط ہے تو بتایا جائے کہ اس تجارتی سینٹر میں کام کرنے والے پانچ ہزار سے زائد یہودی عین حملے کے وقت غائب کیوں تھے؟ اس حملے کے پیچھے عرب مسلمانوں کا ہاتھ تھا یا پھر امریکی در و بست پر حاوی یہودیوں کا؟ اس کا منصفانہ تجزیہ فرانسیسی مصنف «ٹری میسن» نے مضبوط دلائل کی روشنی میں کیا ہے اور اپنی کتاب «ایک خطرناک جھوٹ - ایک خطرناک فراڈ» میں اس الزام کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں جس میں ۱۱؍ ستمبر حملے کا قصور وار مسلمانوں کو ٹھہرایا گیا ہے۔ مصنف نے اس حقیقت کا بھی برملا اظہار کیا ہے کہ ۱۱؍ ستمبر حملے سے متعلق امریکہ اور یہودی میڈیا کا پروپیگنڈہ (مسلمانوں کو قصور وار ٹھہرانا) سو فی صد جھوٹ اور سراسر الزام ہے۔ یہ در اصل ایک اندرونی بغاوت تھی جس کا مقصد اعلیٰ فوجی حکام کی جانب سے صدر بش کو اپنی پالیسی تبدیل کرنے پر مجبور کرنا تھا۔ جھوٹ اور مکر سے سچائی کو زیادہ دنوں تک چھپایا نہیں جا سکتا۔ حقیقت سے پردہ اٹھ چکا ہے اور دنیا جان چکی ہے کہ اس حملے کا اصل مجرم کون ہے؟

دہشت گردی کا انسداد اور انسانی اقدار کی پاس داری قرآن کا طرۂ امتیاز ہے۔ «قرآن جلاؤ مہم» شروع کرنے والے چرچ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آج تک قرآنِ کریم کی ایک بھی آیت دہشت گردی کی تائید میں نہیں پیش کی جا سکی ہے۔ اور نہ قیامت تک پیش کی جا سکتی ہے۔

یوں ہی امریکہ اور دیگر مسیحی ممالک میں رونما ہونے والے دہشت گردانہ واقعات میں مسلمانوں کے ملوث ہونے کا کوئی ٹھوس ثبوت اب تک فراہم نہیں ہو سکا ہے۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر بلا وجہ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر کیوں ہراساں کیا جا رہا ہے؟ ۱۱؍ ستمبر حملے کا تار جب امریکن یہودی سے جڑا ہوا ہے تو اس کا غصہ قرآن پر کیوں اتارا جا رہا ہے؟ اور انتقامی کارروائی کے طور پر فلوریڈا کے چرچ کی جانب سے قرآنِ مقدس کے نذرِ آتش کیے جانے کا منظم پلان کس دلیل اور ثبوت کی رو سے جائز ہے؟

اس قسم کا سوال آج ہر منصف مزاج انسان کے ذہن میں گردش کر رہا ہے اور عیسائی چرچ سے بار بار جواب کا تقاضا کر رہا ہے۔

زمین و آسمان کی گردش کا نظریہ

یہودی فکر کا شاخسانہ

تعمیرِ ادب پر کیے گئے ایک اعتراض کا جواب

مفتی معراج القادری

حضرت مولانا بدر الدین احمد قادری رضوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "تعمیرِ ادب" میں زمین و آسمان کے سکون و قرار کے تعلق سے جو لکھا صحیح لکھا۔ یہی قرآنِ پاک اور احادیثِ کریمہ سے ثابت اور یہی مقتضائے عقل و قیاس اور مفہوم لغت کے مطابق ہے۔ اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ زمین و آسمان اپنے اپنے مقام اور جائے قرار پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ کواکب (ستارے) حرکت و گردش میں ہیں۔ زمین و آسمان کا سکون و قرار اس طرح ہے کہ اس میں حرکتِ محوری و مداری بھی نہیں کہ یہ حرکت بھی منافیِ قرار اور ثبوتِ زوال کے لیے کافی ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ امس و امروز کی حرکتیں حرکتِ آفتاب سے ہیں، حرکتِ زمین و آسمان سے نہیں۔ زمین اگر حرکتِ محوری بھی کرتی تو حرکتِ یومیہ اسی کی رہینِ منت ہوتی۔ جب کہ یہ بدیہی امر ہے کہ حرکتِ یومیہ حرکتِ شمس ہے کہ شمس ہی طلوع و غروب کرتا ہے اور اسی کا وسطِ سما سے زوال شروع ہوتا ہے۔ دیکھیے رسالہ "نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان"۔

"کل یجری لاجل مسمی" سے حرکتِ ارض و سما پر استدلال اس لیے کہ اس سے قبل وسخر الشمس والقمر ہے جس سے متعین کہ کُلٌّ میں اتنی تعمیم نہیں کہ کواکب کے ساتھ ارض و سما بھی شامل و داخل ہوں۔ پہلے پوری آیت کریمہ پڑھیں پھر اپنے فیصلہ پر نظرِ ثانی کریں۔

ارشادِ باری ہے:

وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی.

اور سورج اور چاند کو مسخر کیا، ہر ایک ایک ٹھہرے ہوئے وعدہ تک چلتا ہے (قیامت تک)

اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کو یہودی فیصلے پر زیادہ اعتماد ہے یا ارشادِ قرآن پر۔ اگرچہ ہم آپ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ آپ قرآنی فیصلہ سن کر فوراً خیالِ فاسد سے رجوع کر لیں گے۔

مجددِ اعظم امام احمد رضا قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

"پھر شمس کی حرکت یومیہ جس سے طلوع و غروب و زوال ہے، نہ ہوگی مگر یوں کہ وہ گردِ زمین دورہ کرتا ہے۔ تو قرآن و حدیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہوا کہ آفتاب حولِ ارض دائر ہے لاجرم زمین مدارِ شمس کے جوف میں ہے تو ناممکن ہے کہ زمین گردِ شمس دورہ کرے اور آفتاب مدارِ زمین کے جوف میں ہو۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲/ ص: ۱۸۶)

نیز فرماتے ہیں:

"اگر زمین متحرک ہوتی جیسا وہ مانتے ہیں تو یقیناً اس کی حرکت ہر وقت سخت زلزلہ اور شدید آندھیاں لاتی، انسان حیوان کوئی اس پر نہ بس سکتا۔"

اسی رسالۂ مذکور میں ہے:

"فقہ میں وقتِ زوال ہر کتاب میں مذکور اور عوام تک کی زبانوں پر مشہور۔ کیا اس وقت آفتاب اپنے مدار سے باہر نکل جاتا ہے اور احسن الخالقین جل و علا نے جہاں تک کی حرکت کا اسے امکان دیا ہے اس سے آگے پاؤں پھیلاتا ہے؟ حاشا! مدار ہی میں رہتا ہے اور پھر زوال ہو گیا۔ یوں ہی زمین اگر دورہ کرتی ضرور اسے زوال ہوتا اگرچہ مدار سے نہ نکلتی، اس پر اگر یہ خیال جائے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سرکنا تو آفتاب تو ہر وقت ہے پھر ہر وقت کو زوال کیوں نہیں کہتے، تو یہ محض جاہلانہ سوال ہوگا۔ وجہ تسمیہ مطرد نہیں ہوتی۔ کتب میں یہ مشہور حکایت ہے کہ مطرد ماننے والے سے پوچھا جرجیر یعنی چینے کو کہ ایک قسم کا اناج ہے جرجیر کیوں کہتے ہیں۔ کہا

استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

"لانہ یتجرجر علی الارض" اس لیے کہ وہ زمین پر جنبش کرتا ہے، کہا تمہاری داڑھی کو جرجیر کیوں نہیں کہتے یہ بھی تو جنبش کرتی ہے۔ قارورے کو قارورہ کیوں کہتے ہیں؟ کہا: لان الماء یقر فیھا. اس لیے کہ اس میں پانی ٹھہرتا ہے کہا تمہارے پیٹ کو قارورہ کیوں نہیں کہتے اس میں بھی تو پانی ٹھہرتا ہے۔ یہاں تین ہی موضع ممتاز تھے افق شرقی و غربی و دائرہ نصف النہار، ان سے سرکنے کا نام طلوع و غروب رکھا کہ یہی انسب و وجہِ تمایز تھا اور اس سے تجاوز کو زوال کہا اگرچہ جگہ سے زوال آفتاب کو بلاشبہ ہر وقت ہے. آیتِ کریمہ والشمس تجری لمستقر لھا میں عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے لامستقر لھا یعنی سورج چلتا ہے کسی وقت اسے قرار نہیں۔ اوپر گزرا کہ قرار کا مقابل زوال ہے، جب کسی وقت قرار نہیں تو ہر وقت زوال ہے اگرچہ تسمیہ میں ایک زوال معین کا نام زوال رکھا، غرض کلام اس میں ہے کہ احادیث مرفوعہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم و آثار صحابہ کرام و اجماع اہل اسلام نے آفتاب کا اپنے مدار میں رہ کر ایک جگہ سے سرکنے کو زوال کہا اگر زمین متحرک ہوتی تو یقیناً ایک جگہ سے اس کا سرکنا ہی زوال ہوتا اگرچہ مدار سے باہر نہ جاتی لیکن قرآن عظیم نے صاف ارشاد میں اُس کے زوال کا انکار فرمایا ہے تو قطعاً واجب کہ زمین اصلاً متحرک نہ ہو۔"

(ایضاً، ص: ۲۸۵، جلد: ۱۲)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ."

ہر ستارے آسمان میں تیرتے ہیں (جیسے دریا میں مچھلی)۔

نیز ارشادِ باری ہے:

"والشمس تجری لمستقر لھا."

اور سورج اپنے مستقر کے لیے جاری ہے۔

اور ارشادِ باری ہے:

"وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ."

سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر فرمایا جو مسلسل چل رہے ہیں۔

نیز قرآنِ پاک میں ہے:

"إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا."

بے شک رب تبارک و تعالیٰ آسمان و زمین کو روکے ہوئے ہے کہ وہ سرکنے نہ پائیں اور اگر وہ اپنے جائے قرار سے سرک جائیں تو رب العزت کے سوا اسے کون روکے، بے شک وہ حلم والا اور بخشنے والا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں مطلق حرکت کی نفی ہے، یعنی ایک جگہ قائم رہ کر محور پر گھومنے کی بھی نفی ہے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کے حوالے سے آ رہا ہے۔

مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

علامہ نظام الدین حسن نیشاپوری نے تفسیر "رغائب الفرقان" میں اس آیت کریمہ کی یہ تفسیر فرمائی: (ان تزولا) کراھة زوالھما عن مقرھما و مرکزھما. یعنی اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کو روکے ہوئے ہے۔ کہ کہیں اپنے مقر و مرکز سے ہٹ نہ جائیں۔ مقر ہی کافی تھا کہ جائے قرار و آرام ہے، قرار سکون ہے منافی حرکت۔

قاموس میں آتا ہے۔ قر سکن۔ مگر انہوں نے اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کا عطف تفسیری مرکزھما زائد کیا مرکز جائے رکز، رکز گاڑنا، جمانا، یعنی آسمان و زمین جہاں جمے ہوئے گڑے ہوئے ہیں وہاں سے نہ سرکیں۔

نیز "غرائب القرآن" میں زیر آیت الذی جعل لکم الارض فراشا. فرمایا:

لایتم الفراش علیھا مالم تکن ساکنة ویکفی فی ذلک ما اعطاھا خالقھا ورکز فیھا من المیل الطبعی الی الوسط الحقیقی بقدرتہ واختیارہ ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا۔

اسی آیت کے نیچے تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی میں ہے:

اعلم ان کون الارض فراشا مشروط بکونھا ساکنة، فالارض غیر متحرکة لا بالاستدارة ولا بالاستقامة، وسکون الارض لیس الا من اللہ تعالی بقدرتہ واختیارہ ولھذا قال اللہ تعالی ان اللہ یمسک السموت والارض ان تزولا. اھ.

قرآن عظیم کے وہی معنی لینے ہیں جو صحابہ و تابعین و مفسرین معتمدین نے لیے۔ ان سب کے خلاف وہ معنی لینا جن کا پتا نصرانی

سائنس میں ملے مسلمان کو کیسے حلال ہو سکتا ہے۔(ایضاً،ص:۲۷۵)

اسی میں ہے:

" زوال کے اصل معنیٰ سرکنا، ہٹنا، جانا، حرکت کرنا، بدلنا ہیں۔ قاموس میں ہے: الزوال الذهاب والاستحالة. تاج العروس میں ہے: ازال اللّٰہ زوالہ ای اذهب اللّٰہ حرکتہ وزال زوالہ ای اذهبت حرکتہ. . . . . دیکھو زوال بمعنیٰ حرکت ہے اور قرآن عظیم نے آسمان و زمین سے اس کی نفی فرمائی تو حرکتِ زمین و حرکتِ آسمان دونوں باطل ہوئیں۔ "زوال" جانا اور بدلنا ہے، حرکت محوری میں بدلنا ہے۔ اور مدار پر حرکت میں جانا بھی، تو دونوں کی نفی ہوئی۔

مفردات امام راغب میں ہے:

قرفی مکانہ ثبت ثبوتا جامدا واصلہ من القر وهو البرد وهو یقتضی السکون والحر یقتضی الحرکة.

قاموس میں ہے:

قر بالمکان ثبت وسکن کاستقر.

دیکھو زوال انزعاج ہے، اور انزعاج قلق اور قلق مقابل قرار اور قرار سکون تو زوال مقابل سکون ہے اور مقابل سکون نہیں مگر حرکت، تو ہر حرکت زوال ہے۔ قرآن عظیم آسمان و زمین کے زوال سے انکار فرماتا ہے، لاجرم اُن کی ہر گونہ حرکت کی نفی فرماتا ہے۔

صراح میں ہے:

زائلہ جنبیدہ و روندہ و آئندہ.

زمین اگر محور پر حرکت کرتی جنبیدہ ہوتی اور مدار پر تو آئندہ و روندہ بھی بہر حال زائلہ ہوتی اور قرآن عظیم اُس کے زوال کو باطل فرماتا ہے، لاجرم اس سے ہر نوعِ حرکت زائل۔"

اسی میں، ص:۲۸۱/ پر ہے:

"مگر رب عزوجل نے تو اُن میں سے کوئی قید نہ لگائی۔ مطلق "یمسک" فرمایا ہے اور مطلق "ان تزولا" اللہ آسمان و زمین ہر ایک کو روکے ہوئے ہے کہ سرکنے نہ پائے۔ یہ نہ فرمایا کہ اس کے مدار میں روکے ہوئے ہے، یہ نہ فرمایا کہ ہر ایک کے لیے اماکن عدیدہ ہیں اُن اماکن سے باہر نہ جانے پائے۔ تو اس کا بڑھانا کلام الٰہی میں اپنی طرف سے پیوند لگانا ہوگا از پیش خویش قرآن عظیم کے مطلق کو مقید، عام کو مخصص بنانا ہوگا۔ اور یہ ہر گز روا نہیں۔

ایک صاحب حضرت سیدنا عبد للہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حضور حاضر ہوئے فرمایا: کہاں سے آئے؟ عرض کی: شام سے۔ فرمایا: وہاں کس سے ملے؟ عرض کی: کعب سے۔ فرمایا: کعب نے تم سے کیا بات کی؟ عرض کی: یہ کہا کہ آسمان ایک فرشتے کے شانے پر گھومتے ہیں، فرمایا: تم نے اس میں کعب کی تصدیق کی یا تکذیب؟ عرض کی، کچھ نہیں (یعنی جس طرح حکم ہے کہ جب تک اپنی کتاب کریم کا حکم نہ معلوم ہو اہل کتاب کی باتوں کو نہ سچ جانو نہ جھوٹ)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کاش تم اپنا اُونٹ اور اس کا کجاوہ سب اپنے اس سفر سے چھٹکارے کو دے دیتے! کعب نے جھوٹ کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو روکے ہوئے ہے کہ سرکنے نہ پائیں اور اگر وہ ہٹیں تو اللہ کے سوا انہیں کون تھامے؟ گھومنا اُن کے سرک جانے کو بہت ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ کعب کا کہنا ہے کہ آسمان چکی کے پاٹ کی طرح ایک کیل میں جو ایک فرشتہ کے کندھے پر ہے گھوم رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: کعب غلط کہتے ہیں۔"

(ایضاً،ص: ۲۸۲، ۱۷۰، ۱۶۹)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ تابعی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اسلام قبول کیا، پہلے یہودی عالم تھے اور اس وقت آپ کی وہ رائے تھی جو بیان کی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور دیگر صحابۂ کرام نے اس کی تردید کی، گویا اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو کواکب کے علاوہ حرکتِ آسمان وغیرہ کا قول کرے وہ یہودی فکر ہے اور اسی لیے جو روایت حضرت ابراہیم نخعی سے ہے اس کے آخر میں یہ ہے:

ما تنکب الیهودیة فی قلب عبد فکادت ان تفارقه۔

جس بندے کے دل میں یہودیت کی خراش لگ جاتی ہے پھر مشکل ہی سے چھوٹتی ہے۔

-----☆☆☆☆-----

فکر و آگہی

توحید نبوّتِ مسیح اور بائبل

جاوید احمد عنبر مصباحی

اس خاکدانِ گیتی پہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق تین طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں:

پہلا نظریہ یہ ہے کہ وہ "ابن اللہ" اور "اقانیم ثلثہ" کے ایک جز ہیں۔ یہ نظریہ عیسائیوں (Christians) کا ہے۔

دوسرا نظریہ یہودیوں (JEWS) کا ہے جو آپ کی ولدیت کے متعلق سوال اٹھاتے ہیں (معاذ اللہ)۔

جب کہ تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام خدا کے ایک برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ جو مخلوقِ خدا کی ہدایت و رہبری کے لیے مبعوث ہوئے۔ ایک مدت تک زمین پہ رہے پھر زندہ آسمان پہ اُٹھا لیے گئے۔ قربِ قیامت آپ پھر نزول فرمائیں گے اور شریعت محمدیہ پہ عامل ہوں گے۔ ایک مدت تک قیام کریں گے اور پھر وصال فرما کر مدینہ منورہ میں مدفون ہوں گے۔

مذکورہ تینوں نظریات وعقائد میں سے اول اِفراط جب کہ دوسرا تفریط کا شکار ہے کہ ایک گروہ الوہیت و معبودیت کا قائل ہے تو دوسرا جائز وجود کا بھی منکر ہے۔ (معاذ اللہ) تیسرا عقیدہ اِفراط و تفریط سے خالی اور معتدل ہے کہ وہ مسیح علیہ السلام کو اللہ عزوجل کا مقرب نبی او ررسول مانتا ہے۔ اور یہی طبقہ حق پر ہے جسے مسلمان کہا جاتا ہے۔ (مسلمانوں کو خود کو محمدی کہنے سے احتراز کرنا چاہئے کہ یہ مستشرقین کی وضع کردہ اصطلاح ہے۔ جس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ مسلمان کسی دین کے ماننے والے نہیں ہیں بلکہ محمد ﷺ کے پجاری ہیں۔ جیسے عیسائی خود کو عیسیٰ (christ) علیہ السلام کے پجاری کے طور پہ عیسائی (christians) کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی یورپ وامریکہ کی کثیر تعداد مسلمانوں کو محمد ﷺ کی امت نہیں بلکہ پجاری سمجھتی ہے۔) ہم آنے والی سطروں میں مسلمانوں کے عقیدے کی تصحیح پہ خود عیسائیوں کی کتابِ مقدس "بائبل" کے اقتباسات پیش کریں گے۔ جس کا حرف حرف ان کے عقیدے کے مطابق منزل من اللہ (Inspired) ہے۔

پہلا اقتباس: عیسائی عقیدے کے مطابق جس دن عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی اس دن دو آدمی اتاؤس نامی گاؤں کی طرف جا رہے تھے۔ اور اسی سولی کے مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک عیسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے (عیسائی یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ کچھ ہی گھنٹوں بعد وہ دوبارہ زندہ ہو گئے تھے) وہ لوگ عدم بصارت کے سبب مسیح کو پہچان نہ سکے اور مسیح علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ آپس میں کیا گفتگو کر رہے ہو؟ تو وہ دونوں کھڑے ہو گئے اور ان میں سے کلیپاس نامی شخص نے جواب دیا:

Art thou only a stranger in Jeruslam and has not known the things which are come to pass there in these days,? and he said unto them What things? and they said unto him concering Jesus Nazareth which was a Prophet mighty in deed and word before God and ail the people (St.Luke 24/13-20 Published by Britain)

کیا تو یروشلم میں اکیلا مسافر ہے جو نہیں جانتا کہ ان دنوں اس میں کیا کیا ہوا؟ اس (مسیح) نے ان سے کہا کیا ہوا ہے؟ انہوں نے اس سے کہا یسوع ناصری کا ماجرا جو خدا اور ساری امت کے نزدیک کام اور کلام میں قدرت والا نبی تھا۔" (بائبل کا اردو ترجمہ بنام "کتابِ مقدس" لوقا ۲۴/ ۱۳۔۲۱ مطبوعہ دی بائبل سوسائٹی آف انڈیا بنگلور، انڈیا۔)

میں یہاں پر صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا:

(۱) خط کشیدہ عبارت میں اس بات کی وضاحت اور اس کا صاف صاف بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اپنے کانوں سے ان کی زبانی اپنی نبوت و عبدیت کا اثبات اور اپنی الوہیت کا انکار سنا اور پھر بھی سکوت اختیار فرمایا۔ کچھ نکیر نہ فرمائی۔ اگر مسیح خدا ہیں اور عیسائی عقیدے کے مطابق یقیناً ہیں تو پھر ان کا سکوت و عدم نکیر کیا قرآن حکیم کی اس آیت:

"انی عبدالله اتا نی الکتاب وجعلنی نبیا"

(ترجمہ: عیسیٰ نے کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنا کر مبعوث کیا") کی تصدیق نہیں کرتا......؟؟؟

(۲) "جو خدا اور ساری امت کے نزدیک کام اور کلام میں قدرت

ambarmisbahi@gmail.com

والا نبی تھا" یہ جملہ اس امر پہ دال ہے کہ اس دور کے سارے لوگوں کا عقیدہ یہی تھا کہ مسیح علیہ السلام ایک نبی ہیں۔ اور ابنیتِ مسیح کا نظریہ بعد کی پیداوار ہے جسے منافق یہودی سینٹ پال نے "ایجاد" کیا ہے۔

دوسرا اقتباس: مسیح علیہ السلام اپنے شاگردوں کے ہمراہ گلیل کی جھیل سے گزر کر ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اور وہیں براجمان ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد نیچے نظر کی تو انہیں اپنی طرف عقیدت مندوں کی ایک عظیم بھیڑ امنڈتی ہوئی نظر آئی۔ مسیح نے اپنے شاگردوں سے کہا: اتنے لوگوں کی ضیافت کہاں سے ہو پائے گی؟ پطرس کے بھائی اندریاس نے کہا: یہاں ایک لڑکے کے پاس جَو کی پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں ہیں۔ مگر ان پانچ ہزار لوگوں میں اتنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ مسیح نے لوگوں کو بٹھانے کا حکم دیا۔ لوگ گھاس پر بیٹھ گئے اور مسیح علیہ السلام نے تمام لوگوں کو روٹی اور مچھلیاں دینا شروع کیا۔ وہ پانچ ہزار لوگ ان دو مچھلیوں اور پانچ روٹیوں میں سے ہی اچھی طرح شکم سیر ہو گئے۔ مسیح علیہ السلام نے شاگردوں کو بچے ہوئے کھانے کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ جب ان بچے ہوئے ٹکڑوں کو جمع کیا گیا تو ان سے بارہ بڑی بڑی ٹوکریاں بھر گئیں۔ اب آگے کی کہانی خود بائبل کی زبانی سنیے:

When they had seen the miracle that Jesus did, said This is of a truth that he is a Prophet that should come {John 6/10-14, Matthew 14/13-21, Mark 6/30-44, Luke 9/10-17 Published by Britain)

پس اس نے جو معجزہ دکھایا لوگ اسے دیکھ کر کہنے لگے جو نبی دنیا میں آنے والا تھا فی الحقیقت یہی ہے۔" (انجیل یوحنا ۶/۱۰-۱۴/مرقس ۶/۳۰-۴۴/لوقا ۹/۱۰-۱۷/متی ۱۴/۱۳-۲۱، مطبوعہ بنگلور، ہندوستان)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو ناممکن کارنامہ کر دکھایا اسے کاتبینِ اناجیل "معجزہ" سے تعبیر کر رہے ہیں اور اہل علم بلکہ عامۃ الناس پہ بھی مخفی نہیں کہ معجزہ اس خرقِ عادت کام کو کہتے ہیں جو ایک نبی سے تحدی اور چیلنج کے طور پر صادر ہو (شرح العقائد للنسفی)، ہو سکتا ہے کوئی صاحبِ علم معجزہ کی تعریفِ مذکور کو یہ کہہ کر مسترد کر دے کہ یہ تعریف مسلمانوں کے نزدیک ہے اور قولِ مسلم نصاریٰ کے خلاف حجت نہیں۔ ان سے ہماری گذارش یہ ہے کہ "جو نبی دنیا میں آنے والا تھا فی الحقیقت یہی ہے"۔ یہ فقرہ ہمارے اخذ کردہ مفہوم کی بین دلیل ہے کہ خود عیسائی حضرات نے خرقِ عادت امر دیکھ کر ہی ان کی نبوت کو پہچانا اور مانا تھا۔ مزید برآں جب کسی لفظ کا ترجمہ دوسری زبان میں کیا جاتا ہے تو اہل زبان کے محاورات و تعبیرات کو مد نظر رکھ کر ترجمہ نگاری کی جاتی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مترجم کی ذات نے بھی اس خرقِ عادت کام کو وہی معجزہ سمجھا جو اردو بولنے والوں کے یہاں شائع و متعارف ہے۔

اس اقتباس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے زمانے والے آپ کو نبی برحق مانتے تھے وہیں اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کاتبین اناجیل جنہیں عیسائی عقیدۂ تثلیث (Trinity) کے اماموں سے شمار کرتے ہیں خود ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کیوں کہ انہوں نے عامۃ الناس کے قول کو بلا تردید و انکار نقل کیا۔ علاوہ ازیں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حورایوں نے وہی لکھا جو خدا نے انہیں الہام کیا۔ تو اگر خدائے عیسائیت اس عقیدے کو غلط مانتا تو وہ ضرور بالضرور ناقلینِ اناجیل کے "بے مثل دلوں" پہ اس کا رد بھی القا کر دیتا اور وہ لکھ دیتے (جیسے قرآن حکیم میں کفار و مشرکین کے خرافات کے بیان کے بعد ان کا رد بھی مذکور ہے) مگر نہ خدا نے الہام کیا اور نہ ہی ان حضرات نے قلم بند کیا جس سے لازم آتا ہے کہ خود عیسائیوں کے خدا کے نزدیک بھی مسیح علیہ السلام نبی برحق ہیں نہ کہ "ابن اللہ" اور "اقانیم ثلاثہ" کے ایک جز۔ ورنہ اظہار حقیقت کی اشد ضرورت کے وقت بھی خاموشی اختیار کرنے والوں (کاتبینِ اناجیل) کے متعلق ہم اتنا ہی کہیں گے:

"الساکت عن الحق شیطان أخرس"

قدرت کے باوجود حق بولنے سے احتراز کرنے والا گونگا شیطان ہے۔"

تیسرا اقتباس:

ut Jesus said unto them a Prophet is not without honour, save in his own country and his own house, and he did not many mighty works there because of their unbelief.

(Matthew13/51-52,Pub.Britain)

مگر یسوع نے ان سے کہا کہ نبی اپنے وطن اور گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔ اور اس نے ان (خاندان اور وطن والوں) کی بے اعتقادی کے سبب سے وہاں بہت سے معجزے نہ دکھائے۔

(متی ۱۳/۵۱-۵۲ مطبوعہ بنگلور، انڈیا)

چوتھا اقتباس:

Now after two days he departed thence and went into Gallile for Jesus himself testified that a Prophet hath not honour in his own country. (John 4/43-44,Luke 4/23-24 Published by Britain)

پھر وہ دو دنوں بعد وہاں سے روانہ ہو کر گلیل کو گیا کیونکہ یسوع نے خود گواہی دی کہ نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا۔

(انجیل یوحنا ۴/۴۳-۴۴، انجیل لوقا ۴/۲۳-۲۴ مطبوعہ بنگلور، ہندوستان)

مسطورہ دونوں اقتباسوں سے یہ حقیقت اچھی طرح عیاں ہو

جاتی ہے کہ خود مسیح علیہ السلام کے گھر اور وطن والے انہیں "ابن خدا" یا "اقانیم ثلثہ" کا جز تو دور ایک نبی بھی نہیں مانتے تھے۔ اسی کا رد کرتے ہوئے مسیح علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی اپنے وطن اور گھر کے علاوہ ہر جگہ مقبول ہوتا ہے۔ اور آپ کی نبوت پہ لاگوں کے ایمان نہ لانے کے سبب آپ اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ انہیں بہت سے معجزوں سے محروم کر دیا اور گلیل کی جانب چل پڑے اور اگر مسیح ابن اللہ اور اقانیم ثلثہ کا جز ہوتے تو اس کا ذکر فرماتے نہ کہ نبوت کا اثبات فرماتے۔ اور اگر مسیح بہ یک وقت نبی اور ابن اللہ دونوں ہو سکتے ہیں تو پھر دیگر انبیا کیوں نہیں؟؟

نوح و موسیٰ علیہما السلام میں یہ دونوں اوصاف کیوں جمع نہیں ہو سکے۔ بائبل کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں......؟؟؟

پانچواں اقتباس: مسیح علیہ السلام ایک سامری عورت سے پینے کا پانی مانگتے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ آپ یہودی ہو کر ایک سامری سے پانی کیوں مانگتے ہیں؟ وہ پانی دینے سے انکار کر دیتی ہے۔ مسیح علیہ السلام اسے ایک پانی دکھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا پینے والا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ وہ عورت یہ سن کر آپ سے وہ پانی طلب کرتی ہے تو آپ نے فرمایا: جا، اپنے شوہر کو بلا لا، وہ کہتی ہے میں بے شوہر ہوں۔ اب آگے کی کہانی بائبل کی زبانی:

Jesus said unto her, thou hast well said, I have no husband, for thou hast had five husbands, and he whom thou now has is not the thy husband, in that said thou truely, the woman saith, Sir I perceive that thou art a Prophet.

(John 4/16 -19 Published by Britain)

یسوع نے اس سے کہا کہ تو نے خوب کہا کہ میں بے شوہر ہوں، کیونکہ تو پانچ شوہر کر چکی ہے اور جس کے پاس تو اب ہے وہ تیرا شوہر نہیں ہے، یہ تو نے سچ کہا ہے۔ عورت نے اس سے کہا اے خداوند! مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو نبی ہے۔" (انجیل یوحنا ۴/۱۶-۱۹ مطبوعہ بنگلور، انڈیا)

۱۔ خط کشیدہ عبارت میں اس بات کی وضاحت اور اس کا صاف صاف بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اپنے کانوں سے اس عورت کی زبانی اپنی نبوت و عبدیت کا اثبات اور اپنی الوہیت کا انکار سنا اور پھر بھی سکوت اختیار فرمایا۔ کچھ نکیر نہ فرمائی۔ اگر مسیح خدا ہیں اور عیسائی عقیدہ کے مطابق یقیناً ہیں تو پھر ان کا سکوت و عدم نکیر کیا قرآن حکیم کی اس آیت "انی عبداللہ آتانی الکتاب وجعلنی نبیا" (ترجمہ: عیسیٰ نے کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنا کر مبعوث کیا") کی تصدیق نہیں کرتا؟؟؟

۲۔ "عورت نے اس سے کہا اے خداوند مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو نبی ہے"

یہ جملہ اس امر پہ دال ہے کہ اس دور کے سارے لوگوں کا عقیدہ یہی تھا کہ مسیح علیہ السلام ایک نبی ہیں۔ اور ابنیتِ مسیح کا نظریہ بعد کی پیداوار ہے جسے منافق یہودی سینٹ پال نے "ایجاد" کیا اور دیگر یہودیوں نے نفاق سے کام لے کر خوب عام کیا۔

چھٹا اقتباس:

Many of the people therefore when they heard this saying, said of a truth this is the Prophet, others said this is the Christ (John 7/40-41)

پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ بات سن کر کہا کہ بے شک یہی وہ نبی ہے، اوروں نے کہا یہ مسیح ہے۔ (انجیل یوحنا ۷/۴۰-۴۱ مطبوعہ بنگلور/انجیلِ برنباس اردو ص ۱۲۷ مطبوعہ مرکزی مکتبۂ اسلامی، دہلی)

ساتواں اقتباس:

And by the way he asked his disciples saying unto them, whom they men say that I am? and they answered John, the Baptist, but some say E-li-as and otheres one of the Prophet, and he said unto them but who say ye that I am? and Peter answered and saith unto him thou art the christ.(Mark 8/27-29 Published by Britain)

اور راہ میں اس نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) بپتسمہ دینے والا اور بعض ایلیاہ (الیاس علیہ السلام) اور بعض نبیوں میں سے کوئی، اس نے ان سے پوچھا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں اس سے کہا تو مسیح ہے۔ (مرقس ۸/۲۷-۲۹ مطبوعہ بنگلور)

مذکورہ دونوں اقتباسوں میں اس امر کی صراحت ہے کہ آپ کے زمانے والے، دن و رات اور صبح و شام آپ کے افعال و اخلاق کا مشاہدہ کرنے والے اور آپ کی صحبت میں لیل و نہار گزارنے والے اشخاص آپ کو ایک نبی ہی مانا کرتے تھے۔ فی الحال یہاں اس بحث میں ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں کہ وہ آپ کو عیسیٰ کہتے تھے یا یحییٰ؟ الیاس کہتے تھے یا مسیح؟ بہر صورت ہمارا مدعیٰ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے بابرکت زمانے والے آپ کو ایک نبی ہی مانتے تھے۔ اور آپ کی الوہیت اور ابنیت کا عقیدہ ان فتنہ پرور یہودیوں کا اختراع کردہ ہے جو

آپ کی مدتِ قیام تک آپ کے سخت مخالف اور دشمن رہے اور رفع آسمانی کے بعد اچانک متصلّب ہی نہیں متشدّد مسیح پرست بن گئے۔ اس سے ان کا مقصود اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ مسیح علیہ السلام کی حقیقی تعلیمات کو دنیا سے مٹا دیں۔

بائبل میں درس توحید: اب اگر قرآنِ حکیم اور مسیح علیہ السلام کی دعوتِ توحید کو بائبل سے بھی مزید تائید حاصل ہو جائے تو کیا کہنا۔ اب ہم ذیل میں بائبل کے ''توحیدی اقتباسات'' قرآن حکیم کی ''توحیدی آیات'' کے تقابل کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ پڑھیے اور آنکھوں کو ٹھنڈی کیجیے:

پہلا اقتباس:

Thus said the Lord the King of Israel and his redeemer the Lord of Hosts, I am the first and I am the last and beside me there is none God.(Isiah 44/6-8 Published By Britain)

خداوند اسرائیل کا بادشاہ اور اس کا فدیہ دینے والا رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ (کتاب یسعیاہ ۴۴/۶۔۸ مطبوعہ بنگلور، ہند)

اور قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے: هو الاول والآخر والظاهر والباطن و هو بكلِ شيئى عليم (سورة الحديد ۳،٤)

وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور فرماتا ہے:

انّى أنا الله لا اله الا انا فا عبد نى (سورة طه ١٤)

''میں ہی خدا ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں تو میری ہی پرستش کرو۔''

کیا بائبل کے مذکورہ بالا اقتباس اور قرآن حکیم کی مذکورہ آیتوں میں کچھ اختلاف بھی ہے.........؟؟

دوسرا اقتباس:

For thus saith the Lord that created the heavens, God hismself that formed the earth and made it, he had established it, he created it not in vain, he formed it to be inhabited, I am the Lord and there is none else.(Isiah 45/18 Published by Britain)

کیوں کہ خداوند جس نے آسمان پیدا کیے وہی خدا ہے اسی نے زمین بنائی اور تیار کی اسی نے اسے قائم کیا اس نے اسے عبث پیدا نہیں کیا وہ یوں فرماتا ہے کہ میں خداوند ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ (یسعیاہ ۴۵/۱۸ مطبوعہ بنگلور، ہندوستان)

بائبل کی اس عبارت اور قرآن حکیم کی درج ذیل آیت کے مفہوم میں کتنی مطابقت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''الذى جعل لكم الارض فراشاو السماء بناءً .... فلا تجعلوا لله اندا دا'' (سورة البقرة ۲۲)

وہی رب ہے جس نے (زمین و آسمان کو عبث پیدا نہیں کیا بلکہ) تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا تو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

تیسرا اقتباس: اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف دعوت و تبلیغ کے لیے جانے کا حکم دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان کی لکنت کا عذر پیش کیا۔ اور آگے بائبل کی زبانی:

And the Lord saith unto him who hath made man's mouth? or who maketh the dumb? or deaf? or the seeing or the blind? have not I Lord? now therefore go and I will be with thy mouth.

(Exodus 4/10-12 published by Britain)

تب خداوند نے اس سے کہا آدمی کا منہ کس نے بنایا ہے؟ اور کون گونگا یا بہرا یا بینا یا اندھا کرتا ہے؟ کیا میں ہی خداوند یہ نہیں کرتا سو تو اب جا اور میں تیری زبان کا ذمہ لیتا ہوں۔ (خروج ۴/۱۰۔۱۲ مطبوعہ بنگلور، انڈیا)

اس اقتباس میں بھی ''کیا میں ہی خداوند یہ نہیں کرتا؟'' حصر کے ساتھ ہے کہ وہی یکتا رب ہے جس نے تمام جن و انس، چرند و پرند اور ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اسی مفہوم کو قرآن حکیم نے یوں بیان فرمایا ہے:

''یاایھاالناس اعبدواربكم الذى خلقكم والذين من قبلكم''

اے لوگوں! صرف اسی واحد رب کی پوجا کرو جس نے تمہیں اور تمہارے تمام اگلوں کو پیدا کیا۔

اور دوسری جگہ فرمایا: ''وخلق كل شيئ''

اسی ذاتِ یکتا نے ہر موجود کو پیدا کیا۔

ہوسکتا ہے کہ ان توحیدی اقتباسات کو دنیائے عیسائیت کا کوئی سپوت یہ کہہ کر مسترد کرنے کی ناکام کوشش کرے کہ بائبل میں شامل توریت اور کتابِ یسعیاہ زمانۂ یسوع اور انجیل کے نزول سے قبل کی ہے۔ جب مسیح علیہ السلام تشریف لائے اور اناجیل کی تالیف ہوئی تو تمام سابقہ احکام منسوخ ہوگئے۔ ہم ان کے جواب میں صرف اتنا ہی نقل کرنا چاہیں گے:

The grass with earth the flower fadeth but the word of our God shall stand for ever

(Isiah 40/8 Published Britairi)

گھاس مرجھاتی ہے پھول کمہلاتا ہے پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک

قائم ہے (یسعیاہ ۴۰/۸، مطبوعہ بنگلور، انڈیا)

جب کلام خدا ابدی ہے اور وہ توحید کا حکم دیتا ہے تو پھر عقیدۂ تثلیث کہاں سے ٹپک پڑا؟؟

نصاریٰ بھی قبول کرتے ہیں کہ ان سے قبل ان کے آباؤ واجداد اور بائبل کی دیگر کتب کا عقیدہ یہی تھا کہ خدا ایک ہے تو پھر کون سی ایسی حاجت شدیدہ پیش آگئی کہ ان کے خدا کو ایک عملی حکم نہیں بلکہ ایک اہم مرکزی اور بنیادی عقیدہ توحید (Oneness) کو منسوخ کرکے تثلیث (trinity) کا غیر معقول حکم دینے پر مجبور ہونا پڑا..........؟؟

اسلام نے صرف چند عملی احکام منسوخ کیے تو مشرقین نے آسمان سر پہ اٹھا لیا اور ذات گرامی وقار ﷺ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنالیا مگر یہاں سارا کا سارا ایمان و کفر اور ان کا پیمانہ ہی بدلا جا رہا ہے پھر بھی کچھ فرق نہیں۔

ہوسکتا ہے ہمارے اس استدلال پر بھی اعتراض وارد کیا جائے کہ کلام کے ابد تک قائم رہنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے الفاظ ابد تک قائم رہیں گے نہ کہ وہ احکام جو ان سے مستفاد ہیں۔'' ہم اس نقص کا جواب بھی خود دینے کے بجائے بہ لسانِ بائبل اور بزبانِ مسیح ہی دینا پسند کریں گے۔ مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

Think not that I am come to destroy the law or the Prophets, I am not come to destory but to fulfill, for verily I say unto you till heaven and earth pass one jotor one tittle shall in no wise pass from, till all be fulfilled(matthew 5/17-18,Published by Britain)

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک کہ سب کچھ پورا نہ ہو جائے'' (انجیل متی 5/17-18 مطبوعہ بنگلور، انڈیا)

اور توریت و کتب انبیا (جو شاملِ بائبل ہیں) پہ عمل نہ کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

Whosever therefore shall break one of these least commandments and shall teach men so he shall be called the least in the kingdom of heaven, but whosever shall do and teach them the same shall be called great in the kingdom of heavens

(Matthew 5/19 Published Britain)

پس جو کوئی ان کے چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے کسی کو بھی توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا'' (انجیل متی ۵/۱۹ مطبوعہ بنگلور، انڈیا)

جب خود مسیح علیہ السلام اپنے متبعین کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ وہ توریت و دیگر کتب انبیا میں وارد احکام میں سے کسی کو نہ توڑیں بلکہ ان پہ عمل کریں تو پھر ان کی اتباع کامل کا دم بھرنے والے اور مفت میں جنت میں جانے کا خواب دیکھنے والے اشخاص کیوں توریت اور کتابِ یشعیاہ میں وارد حکمِ توحید و عدمِ شرک کو توڑ کر ثلیث کا اعتقاد رکھتے ہیں......؟؟

اب ہم اخیر میں عیسائیوں سے صرف تین سوالات کرنا چاہیں گے:

اول آپ کے نزدیک توریت اور انبیا کی کتابوں میں وارد حکمِ توحید صحیح ہے یا نہیں؟ ؟ اگر درست ہے تو پھر ثلیث سے توبہ کریں ''فانتھوا خیرا لکم'' اور اگر آپ کے نزدیک وہ اقتباسات لائق عمل نہیں ہیں تو پھر آپ حضرات ''پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔'' کے تحت داخل ہیں یا نہیں......؟؟ ہیں تو آپ بے مذہب اور بد دین ہیں اور اگر داخل نہیں ہیں تو کیوں؟؟ بائبل کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟؟

دوم آپ کے نزدیک یسوع علیہ السلام خدا ہیں یا نہیں......؟؟ اگر نہیں ہیں تو ماشاء اللہ جھگڑا ہی ختم۔ اور اگر ''ابن اللہ'' اور ''اقانیم ثلثہ'' کا جز ہیں اور آپ کے عقیدے میں یقیناً ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ان کے حکم کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں؟؟ انہوں نے خود بھی کئی مقامات پر اپنی نبوت کا اظہار فرمایا اور بائبل کی متعدد کتابوں میں وارد حکمِ توحید پر عمل کرنے کا حکم دیا مگر آپ تو اپنے خدا ہی کے حکم کو ان کے منہ پر مار رہے ہیں۔ آخر کیوں؟؟

سوم اتنے سوالات کے باوجود آپ کے لیے یہ راہ کھلی ہے کہ بائبل سے منقول ان تمام اقتباسات میں عزرا، یوحنا، متی، لوقا اور مرقس کو غلط روایت و انتساب کا الزام دے کر اپنا دامن چھڑا لیں مگر اس صورت میں آپ کا یہ دعویٰ کہ اناجیل اربعہ کے تمام حروف منزل من اللہ اور دیگر کتبِ انبیا محفوظ عن الخطاء ہیں دھرا کا دھرا رہ جائے گا اور آپ کے دین کی تمام بنیادیں ہی چھٹی لے کر صحرا و بیابان کی سیر کو چلی جائیں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پیشین گوئی

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ — ترجمہ: حافظ محمد سرور نظامی پاکستان

معروف تاجر اور صاحب خیر عالی جناب الحاج رفیق برکاتی صاحب نے یہ دستاویزی مقالہ برائے اشاعت راقم الحروف کو عطا فرمایا ہم ان کے شکریے کے ساتھ یہ گراں قدر مقالہ قسط وار اشرفیہ کے صفحات پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ مقالہ دراصل جلیل القدر ولی حضرت نعمت اللہ شاہ علیہ الرحمہ کے اشعار کی توضیح وتشریح پر مشتمل ہے۔ یہ خدمت حافظ محمد سرور نظامی نے بڑے سلیقے سے انجام دی ہے۔ مرتب وشارح اپنے مقالے کے پیشِ لفظ میں رقم طراز ہیں:

لوح محفوظ است پیشِ اولیا — ازچہ محفوظ است محفوظ از خطا

ترجمہ: لوح محفوظ اولیاء اللہ کے سامنے ہوتی ہے، جو کچھ وہاں پر محفوظ ہے وہ خطا سے غلطی سے پاک ہے۔ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کشمیری ایک عظیم اللہ والے گزرے ہیں، جفر کا علم تو حضور کا غلام تھا۔ یہ آپ کی ادنیٰ کرامت ہے کہ حضور نے آج سے آٹھ سو سال پیش تر پیش گوئی ارشاد فرمائی اور وہ حرف بہ حرف پوری ہوتی چلی آرہی ہے۔ بعض حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نے تقریباً دو ہزار اشعار سپردِ قلم کیے ہیں جن میں سے راقم الحروف کے پاس دو سو اڑتالیس اشعار ہیں۔ بعض کی ردیف "مے بینم" اور بعض کی ردیف "پیدا شود" ہے اور بعض قافیہ بیانہ، میزانہ، یگانہ وغیرہ رکھتے ہیں۔ آپ مختلف شہروں میں سیاحت فرماتے ہوئے کشمیر تشریف لائے اور وہیں وصال فرمایا۔

چناں چہ راقم الحروف کے ذہن میں ایک عرصہ سے خیال پیدا ہوا کہ ان اشعار کو یک جا کر کے طباعت کرائی جائے تاکہ یہ مجموعہ محفوظ ہو جائے۔

بعد از حمید گردد سلطان شاہ خامس
بر تخت بادشاہی نشیند چوں ناگہانہ

ترجمہ:- حمید کے بعد سلطان شاہ خامس ہو گا، تخت بادشاہی پر وہ اچانک بیٹھے گا۔

از شرق وغرب یکسر حاکم شوند کافر
چوں ایں شود برابر ایں حرف بایں بیانہ

ترجمہ:- مشرق اور مغرب میں کافر حاکم ہوں گے، جب اس بیان کے مطابق یہ بات پوری ہو جائے گی۔

قتلِ عظیم سازند در دشت مرو میرند
بر قوم ترکماناں آیند غالبانہ

ترجمہ:- مرو کے جنگل میں بہت بڑا قتل ہو گا اور لوگ مریں گے۔ ترک قوم پر وہ لوگ غلبہ پالیں گے۔

قتلِ عظیم ثانی در عہد او کمالی
کفّار غلبہ یابند بروئے ظاہرانہ

ترجمہ:- دوسرا قتل عظیم اس کمال کے عہد میں ہو گا، کافر اس پر ظاہرانہ غلبہ حاصل کرلیں گے۔

آخر حبیب اللہ صاحب قراں من اللہ
گیرد ز نصرت اللہ شمشیر از میانہ

ترجمہ:- آخر کار اللہ کا دوست جو اللہ کی طرف سے صاحب قران ہو گا، اللہ کی مدد سے تلواریں میان سے نکال لے گا۔

گردد ز نو مسلماں غالب بہ فضل رحماں
یعنی کہ قومِ عثماں باشند شادمانہ

ترجمہ:- نئی زندگی سے مسلمان ذاتِ باریِ تعالیٰ کے فضل سے غالب ہوں گے، (یعنی ترکی والے) عثمان قوم خوش ہو گی۔

طاعون و قحط یکجا گردد بہ ہند پیدا
پس مومناں بہ میرند ہر جا ازیں بہانہ

ترجمہ:- ہندوستان میں طاعون کی بیماری اور قحط ظاہر ہو گا، پس مسلمان اس بہانہ سے جگہ جگہ مریں گے۔

یک زلزلہ کہ آید چوں زلزلہ قیامت
جاپاں تباہ گردد یک نصف ثالثانہ

ترجمہ:- ایک زلزلہ قیامت کے زلزلوں کی طرح آئے گا۔ جاپان کا دو تہائی اس سے تباہ ہو جائے گا۔

وہ کس بنامِ احمد گمراہ کنند بے حد
سازند از دلِ خود تفسیر فی القرآنہ

ترجمہ:- وہ شخص جس کا نام احمد ہو گا وہ لوگوں کو بہت گمراہ کرے گا قرآن مجید کی تفسیر اپنے دل سے بنائے گا۔

تا چار سال جنگے افتد بہ برِ غربی
فاتح الف گردد بر جیم فاسقانہ

ترجمہ:- برِ غرب پر چار سال کے لیے ایک جنگ واقع ہو گی۔ الف (انگلستان) جیم پر (جرمن پر) فاسقانہ طور سے فتح پائے گا۔ (یہ جنگ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک لڑی گئی)۔

جنگِ عظیم باشد قتلِ عظیم سازد
یک صد وسی ویک لک باشد شمار جانہ

ترجمہ:- یہ عالم گیر جنگ اول ہو گی، بہت بڑا قتل واقع ہو گا۔ ایک کروڑ اکتیس لاکھ جانیں ضائع ہوں گی۔

اظہار صلح باشد چوں صلح پیش بندی
بل مستقل نباشد ایں صلح درمیانہ

ترجمہ:- بطور پیش بندی صلح کے صلح کا اظہار ہو گا، لیکن یہ صلح ان کے درمیان مستقل نہ رہے گی۔

ظاہر خموش لیکن پنہاں کنند ساماں
جیم و الف مکرر رو در مبارزانہ

ترجمہ:- دونوں بظاہر خموش ایسے ہیں لیکن در پردہ سامان تیار کریں گے یعنی جرمنی اور انگلستان بالتکرار جنگی تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔

وقتیکہ جنگ جاپاں باچین افتاباں شد
نصرانیاں بہ پیکار آیند باہمانہ

ترجمہ:- جس وقت جاپان کی جنگ چین کے ساتھ واقع ہو گی، نصرانی آپس میں لڑائی کریں گے۔

قومِ فرنسوی را برہم نمود اوّل
با انگلیس واطالین گیرند خاصمانہ

ترجمہ:- وہ سب سے پہلے فرانس پر حملہ کر کے قابض ہو گا، برطانیہ اور اٹلی والے خاصمانہ جنگ اختیار کرلیں گے۔

پس سال بست یکم آغاز جنگ دوئم
مہلک ترین اوّل باشد بہ جارحانہ

ترجمہ:- دوسری عالم گیر جنگ کا آغاز اکیس سال بعد ہو گا۔ جو عالم گیر جنگ اول سے بہت زیادہ مہلک اور جارحانہ ہو گی۔ (یہ جنگ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک لڑی گئی)

امداد ہندیاں ہم از ہند دادہ باشند
لاعلم ازیں کہ باشد آں جملہ رائیگانہ

ترجمہ:- اہل ہند بھی اس جنگ میں امداد کریں گے، اس بات سے لاعلم ہوں گے کہ ان کی امداد رائیگاں جائے گی۔

آلاتِ برق پیما اسلاح حشر برپا
سازند اہل حرفہ مشہور آں زمانہ

ترجمہ:- ایسے ہتھیار جو آسمانی بجلی کو ماپنے والے اور ایسا اسلحہ جو میدانِ جنگ میں حشر برپا کر دے، اس زمانہ کے مشہور و معروف سائنس داں بنائیں گے۔

باشی اگر بہ مشرق شنوی کلام مغرب
آید سرودِ غیبی بر طرزِ عرشیانہ

ترجمہ:- اے مخاطب! اگر تو مشرق میں بیٹھا ہو گا تو تو مغرب کا کلام سنے گا، عرش کی طرح غیب سے آواز آیا کرے گی۔

دو الف وروس وہم چیں مانند شہد شیریں
بر الف و جیم اولیٰ ہم جیم ثانیانہ

ترجمہ:- دونوں الف (انگلستان اور امریکہ) روس اور چین آپس میں اکٹھے ہو کر اٹلی اور جرمنی جاپان پر حملہ کریں گے۔ (جاپان جیم ثانی ہے)۔

ایں غزوہ تا بہ شش سال باشد ہمہ بریں سال
از آبِ شور ونمکین چوں دشتِ وحشیانہ

ترجمہ:- یہ جنگ چھ سال تک اسی طرح جاری رہے گی، کھارے پانی سے نمکین تر ہو گی اور جنگلی جانوروں سے بھرے ہوئے جنگل کی طرح ہو گی۔

نصرانیاں کی باشند ہندوستان سپارند
تخمِ بدی بکارند از فسق جاودانہ

ترجمہ:- اس کے بعد عیسائی ہندوستان کو چھوڑ جائیں گے، جاتے ہوئے ہمیشہ کے لیے بدی کا بیج فسق سے بو جائیں گے۔

آں مردانِ اطراف چوں مژدہ ایں شنودند
یکبار جمع آیند بر باب عالیانہ

ترجمہ:- اردگرد کے لوگ جب یہ خوش خبری سنیں گے تو بابِ عالی پر فوراہی اکٹھے ہو جائیں گے۔

تقسیمِ ہند گردد در دو حصص ہویدا
آشوب و رنج پیدا از مکر و از بہانہ

ترجمہ:- ہندوستان دو حصوں میں کھلم کھلا تقسیم ہو جائے گا، مکروفریب سے آشوب ورنج ظاہر ہو گا۔

بے تاج بادشاہاں شاہی کنند ناداں
اجرا کنند فرماں فی الجملہ مہملانہ

ترجمہ:- ہندوپاک پر بادشاہِ بے تاج بادشاہی کریں گے، نہ جانتے ہوئے اپنا فرمان جاری کریں گے جو فی الجملہ مہمل ہوں گے۔

از رشوتِ تساہل دانستہ از تغافل
تاویل یاب باشند احکام، خسروانہ

ترجمہ:- رشوت لے کرسستی کریں گے، جان بوجھ کر غفلت کریں گے، شاہی احکام کو بدل دیا کریں گے۔

عالم زعلم نالاں دانا ز فہم گریاں
ناداں بہ رقص عریاں مصروف ووالہانہ

ترجمہ:- عالم اپنے علم پر گریہ وزاری کریں گے، دانالوگ اپنے فہم پر گریہ وزاری کریں گے، نادان لوگ عریاں ناچ گانوں میں دیوانہ وار مصروف ہوں گے۔

شفقت بہ سرد مہری تعظیم در دلیری
تبدیل گشتہ باشد از فتنۂ زمانہ

ترجمہ:- شفقت سردمہری میں اور تعظیم دلیری میں تبدیل ہو جائے گی، زمانے کے فتنے کے سبب۔

ہمشیر با برادر پسران ہم بہ مادر
نیز ہم پدر بہ دختر مجرم بہ عاشقانہ

ترجمہ:- بہن بھائی کے ساتھ، لڑکے ماؤں کے ساتھ، باپ لڑکی کے ساتھ عاشقانہ فعل کے مجرم ہوں گے۔

ازامتِ محمد (ﷺ) سرزند شوند بے حد
افعالِ مجرمانہ اعمالِ عاصیانہ

سرکارِ دوعالم ﷺ کی امت سے ایسے مجرمانہ فعل اور عاصیانہ عمل سرزد ہوں گے۔

فسق و فجور ہر سو رائج شود بہ ہر کو
مادر بہ دخترِ خود سازد لسے بہانہ

ترجمہ:- ہر جگہ فسق وفجور رائج ہو گا، ماں اپنی بیٹی کے ساتھ بہانہ سازی کرے گی۔

آں مفتیانِ گمرہ فتویٰ دہند بیجا
در حق بیان شرع سازند لسے بہانہ

ترجمہ:- وہ گم راہ مفتی بے جا فتویٰ دیا کریں گے، شریعت کے حق بیان کرنے میں بہت بہانہ سازی کریں گے۔

فاسق کند بزرگی بر قوم از ستر گی
پس کانہ اش بزرگی خواہد شود ویرانہ

ترجمہ:- فاسق لوگ بزرگی کریں گے اپنی قوم پر بڑی صفائی سے، پھر اس کے بزرگ گھر میں ویرانی ظاہر ہو گی۔

در شہر کوہ و قشلاق نوشند خمر بے باک
ہم بھنگ وچرس وتریاق نوشند باغیانہ

ترجمہ:- شہروں اور پہاڑوں میں موسم گرما کے اندر بے خوف ہو کر شراب نوش کریں گے۔ بھنگ، چرس تریاق بھی باغیانہ نوش کریں گے۔

احکامِ دینِ اسلام چوں شمع گشتہ خاموش
عالم جہول گردد جاہل بہ عالمانہ

ترجمہ:- دینِ اسلام کے احکام شمع کی طرح خاموش ہوں گے، عالِم، جاہل ہو جائے گا اور جاہل، عالِم بن بیٹھے گا۔

آں عالمانِ عالم گردند ہمچو ظالم
ناشستہ روے خود را بر سر نہند عمامہ

ترجمہ:- وہ دنیا کے عالم ظالموں کی طرح ہو جائیں گے، اپنے نہ دھوئے ہوئے چہرے کو سرپر دستار رکھ کر سجائیں گے۔

زینت دہند خود را با طرّہ و باجبّہ
گئوسالہ سامری را باشد درونِ جامہ

ترجمہ:- اپنے آپ کو زینت طرہ اور جبہ وقبہ کے ساتھ دیں گے، گویا سامری جادوگر کے بچھڑے کو لباس کے اندر چھپا لیں گے۔

در مومناں نزارے در جنگ قاضی آرے
چوں سگ پئے شکاری گردد لسے بہانہ

ترجمہ:- مسلمان نزاری میں قاضی کی لڑائی میں شکاری

کے پیچھے کتے کی طرح بہانہ سازی کریں گے۔

حِلّت رود سراسر حُرمت رود سراسر
عصمت رود برابر از جبر مغویانہ

ترجمہ:- حلال جاتا رہے گا، حرام کی تمیز جاتی رہے گی، عورتوں کی عصمت اغوابالجبر سے جاتی رہے گی۔

بے مہرگی سر آید پردہ دری آید
عصمت فروش باطن معصوم ظاہرانہ

ترجمہ:- نفرت ظاہر ہو گی، بے پردگی داخل ہو جائے گی، یعنی عورتیں بے پردہ ہوں گی، باطن میں عصمت فروش بظاہر معصوم نظر آئیں گی۔

دختر فروش باشند عصمت فروش باشند
مردانِ سفلہ طینت با وضع زاہدانہ

ترجمہ:- اکثر لوگ دختر فروشی اور عصمت فروشی کریں گے۔ سفلہ طینت آدمی وضع قطع زاہدوں جیسی رکھیں گے۔

بے شرم وبے حیائی در مرداں فزاید
مادر بہ دخترِ خود خود را کند میزانہ

ترجمہ:- اکثر لوگوں میں بے شرمی وبے حیائی کی زیادتی ہو گی، ماں اپنی بیٹی کے ساتھ اپنے آپ کا میزان کرے گی۔

کفار مومناں را ترغیبِ دیں نمایند
از حج چوں مانع آیند از خواندن دوگانہ

ترجمہ:- کافر لوگ مسلمانوں کو دین کی ترغیب دیں گے، حج سے روکیں گے، نماز ادا کرنے سے بھی روکیں گے۔

مردے ز نسل ترکاں رہزن چو مثل شیطاں
گوید دروغ دستاں در ملک ہندیانہ

ترجمہ:- ترکی نسل سے ایک آدمی شیطان کی طرح لٹیرا جھوٹی کہانی بیان کرے گا ہندوستان کے ملک میں۔

بنی تو قاضیاں را بر مسندِ جہالت
گیرند رشوت از خلق علامہ با بہانہ

ترجمہ:- قاضی لوگوں کو تو جہالت کی مسند پر دیکھے گا، بڑے بڑے علم والے لوگ بہانہ سے لوگوں سے رشوت لیں گے۔

بنی تو پندِ معروف پنہاں شود در عالم
سازند حیلہ افسوں نامش نہند نظامہ

ترجمہ:- بھلے کام کرنے کی نصیحت دنیا میں چھپ جائے گی تو دیکھے گا فریب اور افسوں سازی کر کے اس کا نام نظامِ حکومت قرار دیں گے۔

گردد ریا مروّج در شرق و غرب ہر سو
فسق و فجور باشد منظور خاص و عامہ

ترجمہ:- مشرق اور مغرب میں چاروں طرف ریاکاری رواج پاجائے گی، عام خاص لوگوں کے لیے فسق وفجور منظورِ خاطر ہو گا۔

از اہلِ حق نہ بنی در آن زماں کسے را
وزدان و رہزنے را بر سر نہند عمامہ

ترجمہ:- تو اس وقت کسی کو اہل حق نہ دیکھے گا چور اور ڈاکوؤں کے سرپر دستار رکھیں گے۔

کذب وریا وغیبت فسق وفجور بے حد
قتل و زنا و اغلام ہر جا شوند عیانہ

ترجمہ:- جھوٹ اور ریاکاری، غیبت اور فسق وفجور کی زیادتی ہو گی، قتل، زنا اور اغلام بازی جگہ جگہ ظاہر ہو گی۔

شیخاں چوں مثلِ شیطان تجویزے نمایند
با دلبراں نشینند پنہاں درونِ خانہ

ترجمہ:- (جعلی) مشائخ شیطان کی طرح تجویز کریں گے، معشوقوں کے ساتھ گھروں میں چھپ کر بیٹھیں گے۔

زاہد مطیع شیطان عالم عدوِّ رحماں
عابد بعید ایشاں درویش با ریانہ

ترجمہ: زاہد شیطان کی اطاعت کرنے والے، عالم رحمان سے دشمنی کرنے والے، عابد عبادت سے دور اور درویش ریاکاری کرنے والے ہوں گے۔

رسم و رواج ترسا، رائج شود بہ ہر جا
بدعت رواج گردد نیز سنت غائبانہ

ترجمہ:- عیسائیوں جیسا رسم و رواج ہرجگہ رائج ہو گا، بدعت رواج پاجائے گی، سنتِ پیغمبری غائب ہو گی۔

گر دانگ از بہ رشوت در چنگ قاجی آری
چوں سگ پئے شکاری قاضی کند بہانہ

ترجمہ:- اگر تو قاضی کی مٹھی میں چند سکہ چاندی کے دے دے گا، تو شکاری کے کتے کی طرح قاضی بہانہ سازی کرے گا۔ (جاری)

دعوتِ فکر و عمل

نوجوانوں کی ذمہ داریاں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں

حافظ محمد سجاد

قوموں کی تعمیر و ترقی میں یوں تو ہر فرد اپنی اپنی ذاتی اہلیت اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے فرائض اور ذمہ داریاں سرانجام دیتا ہے۔ مگر امر واقع یہ ہے اور تاریخ کے صفحات پر بکھرے ہوئے الفاظ بھی اس کے شاہد ہیں کہ نوجوان نسل اپنی کوششوں اور کاوشوں سے سماجی ارتقا اور قومی ترقی میں جو کردار ادا کرتی ہے وہ مصلحتوں کے حصار میں مبتلا عمر رسیدہ افراد اور ناتجربہ کاری کے گرداب میں پھنسے ہوئے بچے ہرگز ادا نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زندہ قوم اپنے نوجوانوں کے مسائل کے حل اور ان کی تعمیر و تربیت کی منصوبہ بندی پر خصوصی توجہ دیتی ہے، کیوں کہ نوجوانوں میں کچھ کر گزرنے کے جذبات ہی کے وسیلے سے قومی زندگی میں انقلاب آتے ہیں اور سماجی ترقی اور معاشرتی استحکام میں نئی نسل ہی اہم ترین کردار ادا کرتی ہے۔

وہ مومن جماعت جو دار ارقم میں بنی اور مجتمع ہوئی تھی اور جس کے ذریعہ اسلام کو نصرت و فتح نصیب ہوئی تھی وہ نوجوانوں ہی کی جماعت تھی۔ وہ مبارک ہستیاں تھیں جن کے دل نبوتِ محمدی کی معجزانہ قلب و ماہیت کا آستانہ بنے وہ نوجوان ساتھی ہی تھے۔ شمع نبوت کے دیوانے یہ نوجوان، پروانوں کی صورت میں اس محبوب و مقدس شمع کے گرد جمع ہو گئے، ان میں اکثر نے کفر و جہل کی پھونکوں سے بچانے کی خاطر اپنی سوختہ جانوں کی فصیل ابھار دی اور یوں اس شمعِ یقین کی حرمت پر مر مٹے۔ کچھ دوسرے نوجوان اسوۂ حسنہ سے مستفید ہو کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو مشعل راہ بنا کر اطراف و اکنافِ عالم میں ستارے بن کر چمکے اور پھر انھوں نے رذائل اخلاق کی ظلمات میں صداقتِ فکر و عمل، حق گوئی، حق شناسی، عفت، پاک بازی، سخاوت و جاں نثاری، عدل و انصاف اور امانت و دیانت کے نئے چراغ روشن کیے۔

یہ نوجوان حضرات وہی تھے جنھوں نے اپنے کاندھوں پر دعوت و تبلیغ کا بوجھ اٹھایا تھا، یہی حضرات تھے جنھوں نے دعوت و تبلیغ اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر بڑی بڑی تکالیف اور مشکلات کو سہل جان کر صبر و قربانی اور عزم و استقلال کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کیں۔ یہی وہ نوجوان تھے جنھوں نے صبح و شام جہد مسلسل کر کے دینِ اسلام کو اطرافِ عالم میں پھیلایا اور عام کیا اور اس دین کو فتح و کامرانی سے ہم کنار کیا اور غلبہ دلایا۔

چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوجوان ساتھیوں کی کس طرح تربیت فرمائی کہ جو شرک و بت پرستی، قتل و غارت گری، چوری اور ڈاکہ زنی، شراب خوری اور دیگر برائیوں کا شکار تھے۔ ایمان کی حرارت اور اسوۂ حسنہ کی روشنی اور چمک سے حسن سیرت اور اخلاقِ عالیہ کے درخشندہ ستارے بن کر نکلے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان صحابۂ کرام میں سب سے پہلے ایمان اور یقین کو پختہ کیا اور ان کو رذائلِ اخلاق سے نکال کر اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے مزیّن فرمایا۔ جب دیکھا کہ مطلوبہ اخلاقی اوصاف پیدا ہو گئے ہیں تو پھر ان پر فرائض و ذمہ داریاں عائد کیں کہ وہ دینِ اسلام کی حقانیت اور صداقت کو پوری دنیا کے سامنے پیش کریں۔

چناں چہ ہم اس طرح اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور تعلیمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نوجوان نسل کی ذمہ داریوں کو واضح کر سکتے ہیں، اس حوالے سے ان ذمہ داریوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اول: انفرادی ذمہ داریاں۔

دوم: اجتماعی ذمہ داریاں۔

انفرادی ذمہ داریاں: اچھی فصل حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ زمین کو اچھی طرح نرم اور ہموار کیا جائے، اس میں سے کانٹے اور جڑی بوٹیاں نکال کر صاف کیا جائے تاکہ بیج کو صحیح خوراک مل سکے اور وہ تندرست و توانا پودا بن سکے، بالکل اسی طرح کسی فکر اور نظریہ کو مضبوط بنیاد اور اساس پر قائم رکھنے کے لیے

ضروری ہے کہ صالح فکر اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف اور بامقصد نظریات کے حامل افراد تیار کیے جائیں تاکہ وہ نظریہ دیرپا اور کامیاب ہو سکے۔ اس نقطۂ نظر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نوجوان ساتھیوں کی تربیت فرمائی اور پھر ان کو اعلائے کلمۃ الحق کی ذمہ داریوں کے لائق قرار دیا۔ چناں چہ آج بھی مسلمانوں میں نوجوان ہی ان ذمہ داریوں کو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں بہتر طور پر ادا کر سکتے ہیں۔

ذیل میں ہم نوجوانوں کی چند انفرادی ذمہ داریوں کی نشان دہی کرتے ہیں:

مقصد حیات کا شعور: ایک مسلم نوجوان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی تخلیق کے مقاصد کو پہچانے کہ وہ کس لیے پیدا کیا گیا ہے، اس کے عقائد و نظریات کس قسم کے ہوں گے، وہ کس طرح زندگی بسر کرے گا۔ چناں چہ جب ہم اس نقطۂ نظر سے سیرتِ نبوی کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً تیرہ سال مکی زندگی میں مقصدِ حیات کے شعور کو پختہ کیا اور اپنے نوجوان ساتھیوں کو خالقِ کائنات کی حقانیت و وحدانیت، فکرِ آخرت اور ایمان و یقین اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے مزین کیا کیوں کہ صحیفہ کائنات میں ربِّ کائنات نے انسان کے مقصدِ تخلیق کو یوں بیان کیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ. (الذٰریٰت:۵۶)

ترجمہ:- جن و انسان کی تخلیق کا مقصد عبادتِ الٰہی ہے۔

اس کی بندگی بجا لانے کا مطلب یہ ہے کہ مسلم نوجوان اپنے قلبی ربط و تعلق اور نفسی لگاؤ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کر دے، اس کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھے، اس سے اپنی مرادیں مانگے اور دل سے صرف اس کی عظمت و بڑائی کا اعتراف کرے، اس کا حکم مانے اور زندگی کے تمام دائروں میں صرف اسی کی اطاعت کا قائل ہو۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی چیزیں اپنے نوجوان صحابۂ کرام کے اندر پیدا کیں اور انھوں نے بت پرستی، شرک اور فرضی خداؤں سے منہ موڑ کر ایک رب اور خالق کی طرف کر دیا اور یہ مقصد حیات ٹھہرا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (الانعام:۱۶۳)

ترجمہ:- آپ فرما دیجیے! بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

یہی ایک مسلم نوجوان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں دے دے اور دنیا کو ظلم و جہالت سے نکال کر عدل و انصاف کی طرف بلائے۔ یہ ذمہ داری پانچ ایسی بنیادی صفات سے متحقق ہو گی جن سے نوجوانوں کو آراستہ و متّصف کرنا ہو گا اور ان کو اپنے اندر راسخ اور مستحکم کرنے کے لیے خوب ہمت سے کام لینا ہو گا۔

- ایمان راسخ اور شک و شبہہ سے پاک ہو، کیوں کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا. (الحجرات:۱۵)

ترجمہ:- بے شک حقیقی مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر اس میں شک نہ کرے۔

- سچا اخلاص جس میں دکھاوے اور ریاکاری کا شائبہ تک نہ ہو، اسی لیے فرمایا:

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (البینۃ:۵)

ترجمہ:- اور انھیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اس کے لیے خالص کر دیں۔

- صمیم قلب اور عزم محکم جس پر خوف وڈر کا ذرہ برابر اثر نہ ہو:

اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ. (احزاب:۳۹)

ترجمہ:- یہ (وہ لوگ ہیں) جو اللہ کے پیغامات پہنچایا کرتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور بجز اللہ کے کسی اور سے نہیں ڈرتے۔

- وہ عمل پیہم، جس میں سستی و کاہلی نام کی کوئی چیز نہ ہو۔

قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (التوبۃ:۱۰۵)

ترجمہ:- آپ فرما دیجیے کہ عمل کیے جاؤ، سو تمہارے عمل کو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین بھی دیکھ لیتے ہیں اور تمھیں ضرور ہی غیب اور شہادت جاننے والے (اللہ) کے پاس جانا ہے اور وہ تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم عمل کرتے تھے۔

- وہ عظیم قربانی جو کامیابی، فتح یا شہادت کے علاوہ کسی چیز کو نہ

جانتی ہو۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ. (البقرۃ:۱۰۵)

ترجمہ:-اور ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے خوف، بھوک، اموال میں کمی دے کر اور جانوں اور ثمرات میں بھی، پس بشارت دیجیے صبر کرنے والوں کو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ پانچ صفات ان لوگوں کی خصوصیات ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا اور یہی مسلم نوجوان کی خصوصیات ہیں۔ اس لیے کہ ایمان کی اساس و بنیاد صفائی قلب ہے اور اخلاص کی اساس صاف ستھرا دل اور عزم و استقلال کی بنیاد قوی شعور ہے اور عمل کی بنیاد مضبوط ارادہ ہے اور قربانی و ایثار کی اساس راسخ عقیدہ ہے۔ اور یہ تمام صفات سب سے کامل طور پر جوانوں میں ہی مجتمع ہو سکتی ہیں اور یہی مومن نوجوانوں کا مطمح نظر ہیں۔

تزکیۂ نفس یا جہاد بالنفس: تزکیۂ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس کو غلط رجحانات و میلانات سے موڑ کر نیکی اور خدا ترسی کے راستے پر ڈال دینا اور اس کو درجۂ کمال تک پہنچنے کے لائق بنانا ہے۔ تزکیۂ نفس کے اس مفہوم کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا. (الشمس:۷ تا ۱۰)

ترجمہ:-اور شاہد ہے نفس اور جیسا کہ اس کو بنایا پس اس کو سمجھ دی نیکی اور بدی کی تحقیق کامیاب ہوا جس نے اس کا تزکیہ کیا اور ناکام ہوا جس نے اسے آوارہ کیا۔

چناں چہ انبیاے کرام کی بعثت کا ایک مقصد نفوسِ انسانی کا تزکیہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے فرائضِ نبوت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ. (جمعۃ:۲)

ترجمہ:-(یہ نبی) ان کو ہماری آیتیں سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔

چناں چہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم و تربیت میں اس چیز پر بہت زیادہ زور دیا کیوں کہ نفس کو تمام برائیوں سے بچانا اور اس پر قابو پانا جہادِ اکبر ہے۔ اس لیے ایک نوجوان مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے نفس کا ہمیشہ مجاہدہ، مراقبہ اور اپنا محاسبہ کرے تاکہ برائیوں اور گناہوں سے دور رہے اور مکمل طور پر مادّیت کا میل کچیل، دنیاوی زندگی، دنیا کے فتنہ و آزمائش سے محفوظ رہے۔ اس لیے جو شخص اپنے نفس پر فتح حاصل کرنے اور قادر و قوت رکھنے والا ہوگا، پس اس کے لیے انعام کا یوں تذکرہ فرمایا گیا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى. (نازعات:۴۰، ۴۱)

ترجمہ:-اور جو شخص اپنے رب کے مقام و مرتبے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکے رکھا پھر بے شک جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

جب انسان اپنے نفس پر فتح حاصل کر لیتا ہے تو زندگی سستی اور موت معمولی سی چیز بن جاتی ہے اور وہ عقیدہ اور دینِ حق کی خاطر اپنی جان کو قربان کر دیتا ہے اور وہ ساری زندگی معزز، آزاد، شریف و کریم بن کر اس طرح رہتا ہے کہ اس سے دنیا کی ہر چیز ڈرتی ہے۔

اعلیٰ اخلاقی اوصاف: قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ. (القلم:۴)

ترجمہ:-بے شک اے نبی آپ اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔

اور خود حسن و اخلاق کے مجسم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ. (مشکوٰۃ، کتاب الآداب، باب الرفق والحیاء والحسن الخلق، ح.نمبر:۴۸۶۸)

ترجمہ:-بے شک مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

معلّم صدق و صفا، پیکرِ اخلاق نبی نے اپنے نوجوان ساتھیوں کی تربیت میں اخلاقی اوصاف پیدا کیے اور ان کو اخلاق کی تعلیم دی۔ یہ اسی اخلاق کی تعلیم ہی کی وجہ سے وہ حسن سیرت اور حسن صورت کا شاہ کار بن کر نکلے اور انھوں نے اخلاقِ حسنہ کے نمونے اور نقش پا تا قیامت محفوظ کر دیے کہ عالم انسانیت کے لیے تاریکی میں روشنی کے اسباب مہیا ہو سکیں۔ چناں چہ مسلم نوجوانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ گفتار و کردار میں اسوۂ نبی ﷺ اور اسوۂ صحابہ کی تقلید کرے، کیوں کہ آپ کی ذات ہی میں اس کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (مشکوٰۃ، کتاب الآداب، باب الرفق والحیاء والحسن الخلق، ح.نمبر:۴۸۶۸)

ترجمہ:-تمھارے لیے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

حسنِ اخلاق کو آپ نے بہترین عطیہ قرار دیا، صحابۂ کرام نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ:

یَا رَسُولَ اللہ! ما خیرَ اعطی الانسانُ؟ قال: الخلق الحسن. (الاحزاب:۲۱)

ترجمہ:-یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چیز عطا کی گئی ہے ان میں سے کون سی بہترین چیز ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، حسنِ اخلاق۔

عفت و پاک بازی: انسان کے لیے سب سے زیادہ قیمتی اس کی عفت ہے، یہی چیز اس کے جملہ حقوق کے لیے حصار ہے، عفت کے ضائع ہونے سے سیرت کی بنیاد تباہ ہو جاتی ہے۔ قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ عفت و عصمت کو بحال رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا انسانی تمدن کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مومنوں کی صفات میں بیان فرمایا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان سے عفت کا عہد لیا۔ نوجوانوں کو اس کی تلقین فرمائی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود آں حضرت ﷺ نے دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے عفت طلب کی۔ آپ ﷺ نے قریش کے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یا شباب قریش! احفظوا فروجکم، لا تزنوا، الا! مَن حَفِظ فرجہ فلہ الجنۃ. (مستدرک حاکم، باب مفتاح الخطابۃ، باب الزناء)

ترجمہ:- اے نوجوانانِ قریش! اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ زنا نہ کرو، تو جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی اس کے لیے جنت ہے۔

آپ ﷺ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے:

اللّٰھم انّی اسئلک الھدٰی والتقٰی والعفاف والغنٰی.

(مشکوٰۃ باب جامع الدعاء، ص:۲۸۸)

ترجمہ:-اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاک بازی اور تونگری طلب کرتا ہوں۔

چناں چہ ایک مسلم نوجوان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شباب کو عفت و عصمت اور حیا سے معمور کر دے۔ اس کے گفتار و کردار، حسن سیرت و صورت سے حیا اور پاک بازی کی جھلک نمایاں ہو۔ کیوں کہ شخصیت سازی اور ذات کی تکمیل میں سب سے نمایاں ترین ستون یہی ہے۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ظاہری شکل و صورت میں حیا اور عفت کو مقدم رکھا ہے۔ ابو داؤد میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو جو آپ کے ساتھ سفر پر تھی، یہ وصیت فرمائی:

إنکم قادمون علیٰ اخوانکم فاصلحوا رحالکم فاصلحوا لباسکم حتی تکونوا کانکم شامۃ فی الناس فان اللہ لا یحب الفحش والتفحش. (سنن ابو داؤد)

ترجمہ:-تم اپنے بھائیوں کے پاس جانے والے ہو اس لیے اپنے کجاؤں کو درست کر لو اور اپنے لباس ٹھیک کر لو، تاکہ ایسا معلوم ہو جیسے کہ لوگوں........ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو فحش گوئی اور بتکلف فحش بکنا پسند نہیں ہے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کی جسمانی طاقت و قوت تمام قوتوں پر فوقیت رکھتی تھی۔ آپ اتنے زبردست طاقت ور کیوں نہ ہوں گے جب کہ آپ ﷺ نے پہلوانوں کے سردار "رکانہ" کو تین بار پچھاڑ دیا تھا۔ تیسری مرتبہ زیر کرنے کے بعد "رکانہ" نے کہا، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ غزوۂ خندق کے موقع پر ایک زبردست ٹھوس چٹان آڑے آ گئی جس کو آپ ہی نے ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ آپ کا ارشاد ہے:

المؤمن القوی خیر واحبُّ الی اللہ من المؤمن الضعیف.

(حدیثِ نبوی)

ترجمہ:- طاقت ور مومن کم زور مومن کی نسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند اور محبوب ہے۔

اور یہی حکم مسلم نوجوانوں کو دیا گیا ہے کہ وہ اپنے دشمن کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ. (الانفال:۶۰)

ترجمہ:- اور ان سے مقابلہ کے لیے جس قدر بھی ہو سکے تم سامان درست کر لو، قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے تاکہ اس کے ذریعہ تم اپنا رعب اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر بٹھا سکو۔

مسلم نوجوانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ جسمانی، ذہنی اور تخلیقی طور پر طاقت ور اور توانا ہو تاکہ اس کی قوت وطاقت، اس کا جوش وجذبہ، ولولہ ونشاط ملک وقوم کے کام آسکے۔

وقت کی قدر و قیمت: مسلم نوجوان کا وقت بہت قیمتی ہے اور اس کے کاندھے پر جو ذمہ داریاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں وہ اس کے ان اوقات سے جو وہ بے کار میل جول، بے ہودہ اجتماعات، گندے تفریحی پروگرام اور لہو ولعب میں صرف کرتا ہے، زیادہ اہم، ضروری اور قیمتی ہیں۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

احرص علی ما ینفعك واستعن باللہ ولا تعجن.

(رواہ مسلم)

ترجمہ:-اس کام کے حریص رہو جو تمھیں فائدہ پہنچائے اور اللہ سے مدد مانگو اور عاجز مت بنو۔

جوانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے اور اس کی نعمت کی قدر کرنا مسلم نوجوان کی ذمہ داری ہے۔ وہ اس جوش وجذبہ، اس ولولہ انگیز عمر کو تخلیقی اور تعمیری کام میں صرف کرے اور اپنے رب کی معرفت اور حقیقت کو پہچانے کیوں کہ اس نعمت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اغتنم خمسًا قبل خمس: حیاتك قبل موتك وصحتك قبل سقمك وفراغك قبل شغلك وشبابك قبل هدمك وغنائك قبل فقرك. (رواہ حاکم، مستدرک حاکم)

ترجمہ:- پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت جانو: زندگی کو موت سے قبل، صحت کو بیماری سے قبل، فراغت کو مشغولیت سے قبل، جوانی کو ضعیفی سے قبل اور تونگری کو فقر وغربت سے قبل۔

مسلم نوجوان کی ہر گھڑی اور ایک ایک لمحہ مثبت کاموں پر خرچ ہو۔ اس کی سوچیں تعمیری اور تخلیقی ہوں، اس کی فکر میں گہرائی اور گیرائی ہو، وہ اس وقت کو غنیمت جان کر بامقصد طریقے پر استعمال کرے۔

اجتماعی ذمہ داریاں: اجتماعی ذمہ داریوں سے مراد یہ ہے کہ جن کا تعلق معاشرے، قوم اور بین الاقوامی امور سے ہو۔ سیرۃ النبی ﷺ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نوجوان صحابۂ کرام کی پہلے انفرادی اصلاح فرمائی اور اس کے بعد اجتماعی ذمہ داریاں اور فرائض بھی مقرر کیے، جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ دین اسلام کی حقانیت کو روئے زمین پر عام کرے اور ایک صالح معاشرہ کی تعمیر کریں۔ ذیل میں ہم اسوۂ حسنہ کی روشنی میں مسلم نوجوان کی اجتماعی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

جہاد (اعلائے کلمۃ الحق): اعلائے کلمۃ الحق اور روئے زمین پر اللہ کے حکم کو قائم کرنے کی سعی وکوشش کرنا، مسلم نوجوانوں کا سب سے اہم کام اور بنیادی ذمہ داری ہے۔ اس مقصد کے لیے صرف قتال ہی نہیں کرنا بلکہ جہاد کی تمام اقسام بشمول جہاد بالمال، جہاد بالقلم، جہاد بالسیف پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اپنے مال، اپنی جان، اپنی ذہنی، فکری، تخلیقی غرض کہ تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اس دین حق کی اشاعت وتبلیغ اور روئے زمین پر اسے غالب کرنا ہے۔ مثلاً جہاد بالمال ہی کو لیجیے، یہ تمام اقسام جہاد کی اساس ہے، کیوں کہ جہاد بالسیف کے لیے اسلحہ اور ساز وسامان کی ضرورت ہوتی ہے جو رقم اور مال ہی سے خریدا جاتا ہے۔ جہاد بالقلم کے لیے تبلیغ و اشاعت کا کام کتب ورسائل سے پورا ہوتا ہے، مواصلات کے وسائل مہیا کرنے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ الغرض سیرۃ النبی اور اسوۂ صحابۂ کرام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے دین حق کی خاطر اپنا تمام مال ومتاع قربان کر دیا۔

ایک مسلم نوجوان کی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا سے سرکشی، ظلم و ستم، فتنہ وفساد ختم کرے اور دین اسلام پر جو مشکلات آئیں ان کا ہر سطح پر مقابلہ کرے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ.

(الانفال:۳۹)

ترجمہ:-اور ان سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ وفساد باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔

امت میں نوجوانوں کا جہاد کرنا ہی ایک فعال قوت ہے، نوجوان ایک زبردست قوت وطاقت ہیں جو ایمان، نشاط اور زندگی سے بھرپور ہوتے ہیں۔ اس جوانی کو اللہ کا حکم بلند کرنے کے لیے وقف کرنا، اسے تمام ادیان پر غالب کرنا، مسلم نوجوان کی ذمہ داری ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر: ادیان عالم میں یہ امتیاز صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اپنی تعلیم و دعوت اور تبلیغ واشاعت دین کا کام اپنی امت کے لیے لازم قرار دیا ہے اور اسی کو اساسی اصول قرار دیا ہے اور اس اصول کو امر بالمعروف

ونہی عن المنکر سے تعبیر کیا، بلکہ مسلمانوں کا اصل مشن اور مقصد تخلیق یہ بتایا گیا کہ وہ ایک ایسی امت بنا کر بھیجے گئے ہیں جو خیر کی طرف بلاتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ:- تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے پیدا کی گئی ہو۔ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

امام الانبیا ﷺ اس دین کی اشاعت کی خاطر طائف کی وادی میں پتھر کھا کر لہولہان ہوئے محبوب خدا ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کے لیے مکہ کی گلیوں میں غلیظ گالیاں سنیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دین کی اشاعت کے لیے اپنا وطن، گھر بار، غرض کہ ہر مال ومتاع چھوڑ دیا اور صدائے پیغمبر: فلیبلغ الشاهد الغائب. کا حق ادا کر دیا۔ آج کے مسلم نوجوان کی ذمہ داری ہے کہ اس فریضہ کی اہمیت اور افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے نوجوان بیٹے کو جو نصیحتیں فرمائیں ان میں ایک یہ بھی تھی۔

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

(لقمان:۱۷)

ترجمہ:-اے بیٹے نماز قائم کرو، بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

بلغوا عني ولو كان آية.

(مشکوۃ، کتاب العلم، ج:۱، ص:۷۰، طبع دمشق)

ترجمہ:- میری طرف سے پہنچا دو چاہے ایک ہی آیت کیوں نہ ہو۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ تمام امت کے لیے ہے مگر اس میں نوجوان طبقہ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ انھیں کی کوششوں سے دین حق کی اشاعت بہتر اور جلد ہو سکتی ہے۔

تعلیم و تعلم: قرآن حکیم نے سرور عالم ﷺ کے جو منصب رسالت کے فرائض بیان کیے ہیں، ان میں ایک تعلیم کتاب وحکمت ہے اور خود آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا:

إنما بعثت معلمًا. (سنن ابن ماجہ، ج:۱، ص:۸۳)

ترجمہ:-بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

علم ہی تمام انبیا کی وراثت ہے، انبیائے کرام، مال ودولت اور سامان زیست وزیبائش چھوڑ کر نہیں جاتے بلکہ ان کی وراثت تو علوم واحکام کا ایک بے پایاں دفتر اور وسیع ترین ذخیرہ ہوتا ہے۔ اسی لیے عرب کے صحرائی کلاس روم میں پہلی جماعت جو نورِ علم سے آراستہ ہوئی معلم صدق وصفا اور معلم اخلاق نے جس کی تربیت فرمائی وہ اصحاب صفہ یعنی حضور ﷺ کے نوجوان ساتھیوں کی جماعت تھی۔ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کی تعلیم وتربیت پر بہت زور دیا۔ جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ کے طور پر مسلم نوجوان صحابۂ کرام کو علم وہنر سکھانے کا کام لیا اور علم کا حصول مرد وعورت پر فرض قرار دیا۔

طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة.

(سنن ابن ماجہ، ج:۱، ص:۸۱)

ترجمہ:-علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

تعلموا العلم فان تعلمه خشية وطلبه عبادة ومذاكرته تسبيح والبحث عنه جهاد.

(کنز العمال، ملا علی قاری باب فضائل علم، ص:۷)

ترجمہ:-علم سیکھو، یقیناً علم سیکھنا خشیت ہے، اس کا حاصل کرنا عبادت ہے، اس کا مذاکرہ کرنا تسبیح اور اس کے بارے میں جستجو کرنا جہاد ہے۔

چناں چہ آج جدید دور میں دین اسلام کو غالب کرنے اور اسے موجودہ دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جدید وقدیم علوم پر مہارت حاصل کی جائے۔ مسلم نوجوان بطور طالب علم اپنے مضمون میں مہارت حاصل کرے اور بطور استاد اپنے علمی فرائض کو بہتر طور پر انجام دے۔

خاندان کی تشکیل: نوجوانی کے عہد میں یہی قوتیں انسان کو اکثر بے راہ روی کی طرف لے جاتی ہیں، اسلام نے ان ہی قوتوں کا علاج نکاح یعنی خاندان کی تشکیل کی صورت میں کیا، جس سے انسان کی طبیعت میں اعتدال اور توازن پیدا ہوتا ہے اور اس طرح انسانی معاشرے کے افراد میں جائز، درست اور پائیدار

ربط پیدا ہوتا ہے۔ گفتار اور کردار میں پختگی اور فکر کی بلندی و پاکیزگی اسی کے سبب سے ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ کے مطالعہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ ارشاد ہے:

وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ.

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، ج:۳، ص:۱۷۵)

ترجمہ:- میں شادی کرتا ہوں، جس نے میری سنت سے کنارہ کشی کی وہ مجھ سے نہیں۔

آپ ﷺ نے مسلم نوجوانوں کو نکاح کا حکم دیتے ہوئے اس کی حکمت اور افادیت کا ذکر یوں فرمایا:

یَا معشر الشباب! من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج؛ فانّہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصّوم فانّ لہ وجاء. (صحیح بخاری، کتاب النکاح، ج:۳، ص:۱۷۰)

ترجمہ:- اے جوانو! تم میں سے جو اسبابِ جماع (نان و نفقہ) کی قوت رکھیں ان کو چاہیے کہ وہ نکاح کرلیں، اس لیے کہ یہ نگاہوں کو محفوظ اور شرم گاہوں کی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے اور جو شخص اس کی استطاعت نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے کیوں کہ روزہ شہوت کو ختم کر دیتا ہے۔

شرم و حیا اور عصمت و عفت کی حفاظت نکاح کی صورت میں بیان کی گئی ہے، مسلم نوجوان اس سنت پر عمل پیرا ہو اور اپنے دامن کو بے حیائی، عریانی، و فحاشی، فحش گوئی اور گندی تفریحات سے پاک کرے، کیوں کہ بقول اقبال ؎

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری

معاشی جد و جہد یا کفالت افراد: مسلم نوجوانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے معاش کا خود سامان کریں، اس کے لیے جد وجہد اور محنت کریں۔ سیرۃ النبی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بچپن میں قریش کی بکریاں چرائیں، جوانی میں تجارت کی اور بعد میں محنت مزدوری کر کے روزی کمائی اور محنت کرنے والے کو اللہ کا دوست قرار دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام میں بھی محنت کی عظمت کو اجاگر کیا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ پھیلانے اور سوال کرنے کی حوصلہ شکنی کی۔ ایک صحابی نے سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کو کلہاڑا خرید کر دیا اور فرمایا جاؤ اس سے لکڑیاں کاٹو اور فروخت کرو، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے چہرے پر مانگنے کا داغ لے کر آؤ۔ آپ نے طلبِ حلال کو جہاد کے برابر قرار دیا۔

طلب الحلال جهاد. (کنز العمال، باب فی فضائل الکسب، ج:۴، ص:۶)

ترجمہ:- حلال مال طلب کرنا جہاد ہے۔

ایک مسلم نوجوان کی ذمہ داری اور فرض ہے کہ وہ اپنے خاندان اور والدین کی کفالت کرے اور ان کی ضروریات کا سامان مہیا کرے، آپ ﷺ نے اپنے اہل و عیال کے لیے کوشش کرنے کو جہاد قرار دیا اور مسلم نوجوان کی ذمہ داری قرار دی۔ فرمایا:

وَاسعِ علی اهلكَ وعیالكَ حلالاً. (ایضاً، ص:۵)

ترجمہ:- اپنے اہل و عیال کے لیے حلال روزی کی کوشش کرو۔

ایک اور مقام پر فرمایا: إن کان لیسعی علی ابویہ شیخین کبیرین فھو فی سبیل اللہ وان کان لیسعی علیٰ ولدٍ صغیر فھو فی سبیل اللہ وان کان لیسعیٰ علیٰ نفسہ فھو فی سبیل اللہ. (ایضاً، ص:۱۰)

ترجمہ:- جس نے کمانے کی کوشش کی اپنے بوڑھے والدین کے لیے وہ جہاد میں ہے اور جس نے اپنے چھوٹے بچوں کے لیے کوشش کی وہ راہِ جہاد میں ہے اور اگر اس نے اپنے نفس کے لیے کوشش کی تو وہ بھی راہِ جہاد میں ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں ایک مسلم نوجوان کی ذمہ داری ہے کہ وہ رزقِ حلال کے لیے کوشاں رہے اور ملک و خاندان پر بوجھ نہ بنے بلکہ معاشرے کی تعمیر میں عملی طور پر حصہ لے۔

الغرض ہم نے مسلم نوجوانوں کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریاں مختصراً بیان کیں، حقیقت یہ ہے کہ مسلم نوجوان کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین اور اس کے کلمہ کو بلند کرے، اس کے لیے سعی و کوشش کرے، اس کے لیے وہ جہاد بالمال، جہاد بالسیف، جہاد بالقلم، تبلیغی جہاد اور سیاسی جہاد کرے۔ مگر یہ تمام ذمہ داریاں وہ اسی وقت ادا کرسکتا ہے جب وہ جہاد بالنفس پر عمل پیرا ہو۔ وہ مومنانہ صفات کا حامل ہو۔ اسوۂ حسنہ اور حضور ﷺ کی تعلیمات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسی نہج پر صحابۂ کرام کی تربیت فرمائی اور پھر ان کو اعلاے کلمۃ الحق کے لیے نام زد فرمایا۔ آج بھی ان اوصافِ جمیلہ کو اپنا کر مسلم نوجوان دارین کی سعادت

ظلم، ظالم اور مظلوم

محمد انور نظامی مصباحی

ظلم اور غصب:- ظلم کا لغوی معنیٰ حد سے بڑھنا اور شریعت میں کسی بھی چیز کا غیر شرعی استعمال ظلم کہلاتا ہے، بقول دیگر بے اجازت دوسرے کی ملکیت میں تصرف کو ظلم کہتے ہیں اور دوسرے کا مال زبردستی لے لینا غصب کہلاتا ہے۔

(عمدۃ القاری شرح الصحیح للبخاری ۱۲/ ۳۹۹)

ظلم ظلمت سے بنا ہے جو تاریکی کے معنیٰ میں ہے، چوں کہ ظالم کا دل تاریک اور سیاہ ہوتا ہے اس لیے وہ ظلم کرتا ہے۔ اگر ہدایت کی روشنی اس کے دل میں ہوتی تو انجام پر ضرور غور کرتا۔

(عمدۃ القاری شرح الصحیح للبخاری کتاب المظالم والغصب ۱۲/ ۳۹۹، بیروت)

ظلم کا انجام:- ظلم و زیادتی یہ ان افعال میں سے ہے جسے دنیا کی کسی تہذیب، کسی قانون یا کسی مذہب و ملت نے جائز نہیں گردانا، نہ کوئی عقلِ سلیم اس کو صحیح سمجھتی ہے، کیوں کہ یہ انسانی معاشرہ میں شر و فساد، بے راہ روی، دراندازی اور حق تلفی کو جنم دیتا ہے اور معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کر کے انسانی تہذیب و تمدن کو عروج و ارتقا اور امن و سلامتی کی بلندیوں سے شر و فساد اور اضطراب و بے چینی کے قعرِ عمیق میں گرا دیتا ہے اور انسان جانوروں سے بھی بدتر بے ہنگم زندگی جینے پر مجبور ہو جاتا ہے، جو اس کی شانِ کرامت کے خلاف ہے۔

اس لیے ایک بہتر انسانی معاشرے کی تشکیل اور آدمیت کے فروغ کے لیے سب سے اہم اور کلیدی کردار ادا کرنے والی چیز عدل و انصاف، اخوت و مساوات اور امن و سلامتی ہے۔ جب کہ ظلم و تشدد، حق تلفی اور غارت گری انسانی معاشرے کے دشمن ہیں اور اس کا انجام بھی بڑا بھیانک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام نے ظلم و تشدد، حق تلفی اور غارت گری کے انسداد اور عدل و انصاف کے قیام کے لیے جامع قوانین عطا کیے، ظلم کی پرزور مذمت کی اور اس کے انجام بد سے بار بار آگاہ کیا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

(۱) — وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ. مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ.

(ابراهیم، ۴۲، ۴۳)

ترجمہ:- ظالموں کے کام سے اللہ کو ہرگز بے خبر نہ سمجھنا، انھیں ایسے دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس دن آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ وہ اپنا سر اٹھائے بے تحاشا دوڑتے جائیں گے۔

(۲) — وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَا اَخِّرْنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ. وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ. وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ. فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ. (ابراهیم، ۴۴ تا ۴۷)

ترجمہ:- اور لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جب ان پر عذاب آئے گا تو ظالم کہیں گے اے ہمارے رب تھوڑی دیر ہمیں مہلت دے کہ ہم تیرا بلانا مانیں اور رسولوں کی غلامی کریں تو کیا تم پہلے قسم نہ کھا چکے تھے کہ ہمیں دنیا سے ہٹ کر کہیں جانا نہیں اور تم ان کے گھروں میں بسے جنھوں نے اپنا برا کیا تھا اور تم پر خوب کھل گیا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا کیا۔ اور ہم نے تمھیں مثالیں دے کر بتا دیا اور بے شک وہ اپنا سارا داؤں چلے اور ان کا داؤں اللہ کے قابو میں ہے اور ان کا داؤں کچھ ایسا نہ تھا جس سے یہ پہاڑ ٹل جائیں تو ہرگز خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلاف کرے گا، بے شک اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا۔ (کنز الایمان)

(۳) — وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ. (الشوریٰ، ۴۴)

ترجمہ:- اور تم ظالموں کو دیکھو گے کہ جب وہ لوگ عذاب

دیکھیں گے تو کہیں گے کیا واپس جانے کا کوئی راستہ ہے۔

۲ — اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ. (ھود:۱۸)

ترجمہ:- ارے ظالموں پر خدا کی لعنت۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا یبغی علی الناس الا ولدُ بغی و الا من فیہ عرق منہ."

(عمدۃالقاری شرح الصحیح للبخاری کتاب المظالم والغصب ۱۲/ ۳۹۹، بیروت)

ترجمہ:-لوگوں پر ظلم و تعدی نہ کرے گا مگر حرامی یا وہ جس میں کوئی رگِ ولادت زنا کی ہو۔

۱ — الظلم ظلمات یوم القیمۃ. (عمدۃالقاری شرح الصحیح للبخاری کتاب المظالم والغصب، ۱۲/ ۴۱۱)

ترجمہ:- ظلم قیامت کی تاریکیاں ہیں۔

۲ — إن اللہ لیملی الظالم حتّٰی إذا اخذہ لم یفتلہ، ثم قرأ و کذالک اخذ ربک إذا اخذ القریٰ وھی ظالمۃ الأیۃ.

(کنز العمال للمتقی ۱۳۰۹۳- ۵/ ۳۳۳)

ترجمہ:- بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے حتی کہ جب مواخذہ فرماتا ہے تو چھوڑتا نہیں، پھر آپ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی" ایسے ہی تمہارے رب کی پکڑ ہے، جب اس نے گاؤں والوں کو پکڑا جو ظلم کر رہے تھے۔

۳ — من مشی مع ظالم لیقویہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام. (مشکوٰ المصابیح للتبریزی ۲/ ۴۳۶)

ترجمہ:- جو جانتے ہوئے ظالم کی مدد کو چلا وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

۴ — الالا تظلموا، الالا یحل مال امرإ الا بطیب نفسٍ منہ رواہ البیھقی. (ایضاً)

ترجمہ:- خبر دار! ظلم نہ کرو، خبر دار دوسرے کا مال بغیر اس کی رضا کے جائز نہیں۔

۵ — اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیمۃ واتقوا الشح رواہ مسلم. (ایضاً)

ترجمہ:-ظلم سے بچو کیوں کہ ظلم قیامت کی تاریکیاں ہیں اور حرص سے بچو۔

۶ — یا ایھا الناس اتقوا الظلم. رواہ احمد. (ایضاً ۱/ ۲۵۶)

ترجمہ:- اے لوگو! ظلم سے بچو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "ظالم دوسرے کا نہیں اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔" ابو ہریرہ نے کہا: "ہاں اللہ کی قسم ! حتی کہ بٹیریں اپنے گھونسلے میں دبلی ہو کر ظالم کے ظلم کی وجہ سے مر جاتی ہیں۔" (مشکوۃ المصابیح للتبریزی ۲/ ۴۳۴)

یعنی ظلم اپنی لپیٹ میں بہتوں کو لے لیتا ہے، جب ظلم بڑھتا ہے تو بارش بند ہو جاتی ہے، چڑیاں حتی کہ بٹیریں بھی بھوکی پیاسی مرجاتی ہیں۔

پنداشت ستم گر کہ جفا برما کرد
بر گردنِ او بماند و برما گزشت

قریب ہے یارو روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

ابن جوزی فرماتے ہیں کہ ظلم میں دو طرح کے گناہ ہیں۔ (۱) - دوسرے کا مال ناحق لینا۔ (۲) - اور نافرمانی کر کے اللہ و رسول (جل جلالہ و ﷺ) سے مقابلہ، کیوں کہ اس نے عدل و انصاف کا حکم دیا تھا اور یہ تو بڑی ہی آفت و مصیبت کی بات ہے کیوں کہ ظلم کم زوروں پر ہی کیا جاتا ہے۔ اور کم زوروں کا اللہ کے سوا کوئی حامی و مدد گار نہیں۔ (عمدۃ القاری شرح الصحیح للبخاری ۱۲/ ۴۱۱)

چناں چہ رسولِ گرامی وقار ﷺ فرماتے ہیں: ایاک دعوۃ المظلوم فانما یسأل اللہ تعالی حقہ و إن اللہ تعالی لایمنع ذاحق حقہ. (مشکوٰ المصابیح للتبریزی ۲/ ۴۳۵)

ترجمہ:- مظلوم کی بد دعا سے بچو کیوں کہ وہ اللہ سے اپنے حق کی بازیابی کے لیے فریاد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حق دار کا حق روکتا نہیں۔

مظلوم کی بد دعا سے بچو:-کوئی زبر دست جب کسی زیر دست کے کسی حق کو پامال کرتا ہے، اس کو کسی قسم کا جانی، مالی نقصان یا قلبی آزار پہنچاتا ہے اور مظلوم جب کسی طرح سے خود کو اس قابل نہیں پاتا کہ اپنے حقوق کی حفاظت کر سکے یا اپنے حقوق ظالم سے واپس لے سکے تو اس بے بسی و بے چارگی کے عالم میں وہ دنیا سے مایوس ہو کر اپنے خالق سے فریاد کرتا ہے اور اس کے ٹوٹے دل سے جو بد دعا نکلتی ہے وہ کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ حق تعالیٰ اس ٹوٹے دل کی آواز سنتا ہے اور اس کی فریاد رسی فرماتا ہے۔ ظالم جلد یا بدیر کیفر کردار تک پہنچتا ہے، مظلوم کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی، اس لیے پیارے آقا ﷺ نے مظلوم کی بد دعا سے ڈرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

۱ — حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ملک یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انھیں ہدایت فرمائی: اتق دعوۃ المظلوم فانھا لیس بینھا و بین اللہ حجاب. (الصحیح للبخاری کتاب المظالم والغصب، باب الاتقاء والحذر عن دعوۃ المظلوم)

ترجمہ:- مظلوم کی دعا سے ڈرو کیوں کہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔" یعنی وہ دعا مقبول ہو کر رہتی ہے۔

۲ — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دعوۃ المظلوم مجابۃ و إن کان فاجرا ففجورہ علی نفسہ. رواہ ابن ابی شیبہ. (عمدۃالقاری شرح الصحیح بخاری کتاب المظالم والغصب عن دعوۃ المظلوم ۱۲/ ۴۱۱ بیروت)

ترجمہ:- مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے اگر چہ وہ بدکار ہی کیوں نہ ہو، بدکاری کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

ظالم سے انتقام:-انتقام انسانی فطرت کا تقاضا ہے، انسان کے اندر ظلم کے ردِ عمل میں انتقام کی فطرت خالق نے ودیعت فرمائی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان قدرت کے باوجود اگر انتقام نہیں لیتا اور اپنی کم زوری دکھاتا ہے تو ظالموں کو جرأتِ بے جا کا موقع فراہم ہوتا رہے گا اور وہ نیکوں پر ظلم وستم کے نئے نئے تیر چلانے کے فراق میں رہیں گے۔ ہاں! قدرت کے بعد عفو و در گزر دوسری بات ہے جو شریعت طاہرہ میں نہایت ہی محمود ہے، مگر اپنی ذلت کی قیمت پر ظالموں کے ظلم سے چشم پوشی کسی بھی طرح مناسب نہیں۔

ظلم کے خلاف آواز اٹھانا اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانا اور اس سے انتقام لینا معاشرے کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنانے کے لیے کافی اہم ہے۔ اگر ظلم و تشدد کی آندھی چلتی رہی، مظلوم تڑپتے رہے، ظالم کے دستِ ظلم کو روکنے کے لیے اس سے انتقام نہ لیا گیا تو ظالم کی جرأت روز افزوں ہوتی جائے گی۔ جان، مال، عزت، آبرو کسی کی خیر نہیں ہوگی۔ اس لیے ظلم سہتے رہنا، اس کے خلاف زبان نہ کھولنا اور اس سے انتقام لینے کی کوشش نہ کرنا، اپنی ذات اور معاشرے پر مزید ظلم کا دروازہ کھولنا ہوگا۔ اس لیے مظلوم کی صدائے احتجاج پر کوئی قدغن نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے بری بات کے اعلان کو منع فرمایا ہے کہ کسی کی خامیاں بر سر عام ظاہر نہ کی جائیں مگر مظلوم کو اجازت دی ہے کہ ظالم کے ظلم کا بر ملا اعلان کرے اور اپنے حق کا مطالبہ کرے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا. (النساء:۱۴۸)

ترجمہ: بری بات کا اعلان کرنا اللہ پسند نہیں فرماتا، مگر مظلوم سے۔

اور فرماتا ہے: وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ. (الشوریٰ:۴۱)

ترجمہ: جس نے اپنی مظلومی پر بدلہ لیا ان پر کچھ مواخذہ نہیں۔

اور فرماتا ہے: اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (الشوریٰ:۴۲)

ترجمہ: مواخذہ تو انھیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی پھیلاتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہیں۔ (کنز الایمان)

رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قال اللہ تبارک و تعالیٰ: وعزتی وجلالی لأنتقمن من الظالم فی عاجلہ واجلہ ولانتقمن من رأی مظلوماً فقدر أن ینصرہ فلم یفعل. رواہ ابو الشیخ بن حبان فی کتاب التوضیح. (عمدۃالقاری شرح الصحیح للبخاری کتاب الجنائز باب اتباع الجنائز ۸/ ۱۵ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ! میں ظالم سے دنیا میں اور آخرت میں ضرور ضرور بدلہ لوں گا اور اس شخص سے بھی ضرور بدلہ لوں گا جس نے کسی مظلوم کو دیکھا اور قدرت کے باوجود اس کی مدد نہیں کی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ. (الشوریٰ:۳۹)

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلفِ صالحین ظالم کے مقابلے میں فروتنی کرنا پسند نہیں کرتے تھے کہ فساق نیک لوگوں پر جری نہ ہو جائیں، ہاں! جب انتقام کی قدرت مل جاتی تو در گزر کر دیا کرتے۔ (الصحیح للبخاری کتاب المظالم والغصب، باب الانتصار من الظالم)

مظلوم کی مدد:- ظلم کی آگ میں جلنے والے مجبور و بے سہارا انسانوں کو ظلم و تشدد کی بھٹی سے باہر نکالنا انسانی معاشرے میں امن و سلامتی اور مساوات لانے کے لیے بے حد ضروری ہے، اس لیے

امن وسلامتی کے داعی مذہب اسلام نے اپنے ماننے والوں پر مظلوم کی فریادرسی اور ان کا تعاون فرض قرار دیا ہے، چناں چہ رحمت عالم ﷺ نے سات اہم چیزوں کا حکم دیتے ہوئے مظلوم کی مدد کو فرض قرار دیا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سات کاموں کا حکم دیا اور سات کاموں سے منع فرمایا۔ جن سات کاموں کا حکم دیا وہ یہ ہیں:-

① - مریض کی عیادت ② - جنازے میں شرکت ③ - چھینک کا جواب ④ - سلام کا جواب ⑤ - مظلوم کی مدد ⑥ - دعوت قبول کرنا ⑦ - کسی نے قسم دیا تو اس کو پورا کرنا۔

(الصحیح للبخاری کتاب المظالم والغصب، باب نصر المظلوم ۲۴۴۵)

علما فرماتے ہیں کہ مظلوم کی مدد فرض کفایہ ہے۔ اگر سلطان اسلام ہے تو اس پر، جہاں وہ نہیں وہاں اس شخص پر اس کی مدد فرض ہے جس کو اس کی قدرت ہے۔ مریض کی عیادت سنت، جنازے میں شرکت فرض کفایہ، چھینک کا جواب سنت، سلام کا جواب واجب اور دعوت کا قبول کرنا سنت ہے۔ قسم دینے والے نے اگر جائز چیز کی قسم دی ہے یا ایسی چیز کی جو وہ کر سکتا ہے تو پورا کرنا مستحب ہے۔ (الصحیح للبخاری کتاب المظالم والغصب، باب نصر المظلوم ۱۲ / ۴۰۸، بیروت)

مظلوم کی داد رسی اور عدل فاروقی:-

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مصری نے امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی! اے امیر المومنین ! میں ظلم سے حضور کی پناہ لیتا ہوں۔ امیر المومنین نے فرمایا: تو نے سچی جائے پناہ لی۔ فریادی بولا: میں نے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے کے ساتھ دوڑ کی، میں آگے نکل گیا۔ صاحب زادے نے مجھے کوڑے مارے اور کہا میں دو معزز اور کریم والدین کا بیٹا ہوں۔ اس فریاد پر امیر المومنین نے فرمان جاری فرمایا کہ عمرو بن عاص مع اپنے بیٹے کے حاضر ہوں۔ وہ حاضر ہوئے۔ امیر المومنین نے مصری کو حکم دیا کہ کوڑا لے اور مار۔ اس نے بدلہ لینا شروع کیا اور امیر المومنین فرماتے جاتے تھے مار دو کریموں کے بچے کو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خدا کی قسم ! جب اس فریادی نے مارنا شروع کیا تو ہمارا جی یہ چاہتا تھا کہ یہ مارے اور اپنا بدلہ لے لے۔ اس نے اتنا مارا کہ ہم تمنا کرنے لگے کہ کاش اب ہاتھ اٹھا لے۔

جس کا کوئی نہیں اللہ و رسول اس کے مددگار ہیں :-

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللہ ورسولہ مولی لمن لا مولی لہ. (الجامع للترمذی باب ما جاء فی میراث المال ۲/ ۳۱ مجلس برکات مبارک پور)

ترجمہ: جس کا کوئی حامی و مدد گار نہیں اللہ و رسول اس کے مدد گار ہیں۔

ظالم و مظلوم دونوں کی مدد کرو :-

مظلوم اپنی مظلومیت کی وجہ سے قابلِ رحم بھی ہے اور مستحق نصرت وحمایت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا ہر انسان مظلوم کا طرف دار نظر آتا ہے اور ظالم سے متنفر و بے زار۔ بھائی کی مدد کرنا فطری تقاضا ہے، ہر شخص کے دل میں قدرت نے بھائی کے لیے نرم گوشہ رکھا ہے جس سے وہ خصوصی تعلق اور ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہے اور اپنے بھائی کا ہر طرح سے ہر موقع پر تعاون کرنا چاہتا ہے۔ خصوصاً جب اس کا بھائی کسی کے جبر وظلم کا شکار ہو تو ایسے نازک موقع پر جذبۂ اخوت کی فراوانی دیدنی ہوتی ہے اور یہ تقاضائے مذہب بھی ہے۔ تاہم اگر معاملہ برعکس ہو تو انسان کے لیے وہ لمحہ امتحان کا ہوتا ہے کہ اپنے بھائی کا تعاون کس طرح کرے؟ اس کا بھائی ظالم بن کر ظلم کا نشانہ کسی مجبور و بے کس کو بنا رہا ہے تو وہ کیا کرے؟ کیا اس کے اس فعل گناہ میں خود بھی شریک ہو کر اس کا تعاون کرے؟ آخر بھائی کی مدد کا فطری جذبہ جو ہے۔ مذہب اسلام نے ظالم کی نصرت وحمایت کا ایک انوکھا حکم دیا ہے کہ مظلوم کی مدد اگر تم اس کی نصرت وحمایت کر کے اور اس کا حق دلا کر کر سکتے ہو تو ظالم کے دستِ ظلم کو پکڑ لینا اور اس کو سرکشی سے باز رکھنا خود اسی ظالم کی مدد ہے کہ اس طرح سے وہ ایک بڑے بے گناہ اور فساد فی الارض سے ہی نہیں بچتا بلکہ وہ دنیاوی سزا اور اخروی عتاب سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس لیے کسی کو ظلم سے باز رکھنا اس کا بہت بڑا تعاون ہے۔ فرمانِ رسول ہے:

أنصر اخاک ظالماً او مظلوماً قالوا یا رسول اللہ ھذا تنصرہ مظلوما فکیف ننصرہ ظالما قال تاخذ فوق یدیہ.

(الصحیح للبخاری کتاب المظالم والغصب، باب اعن اخاک ظالماً او مظلوماً ٢٤٤٢)

ترجمہ:- اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم مظلوم کی مدد کرتے ہیں، ظالم کی کیسے مدد کریں گے؟ آپ نے فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑ لو۔

☆☆☆☆☆

انوار حیات

سیدنا قاضی سلیمان قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سید احمد القادری امجھری

حسب ونسب :- بغداد مرکز روحانیت سے براہ راست نسبی وروحانی رابطہ رکھنے والے سب سے پہلے قادری بغدادی بزرگ جو ہندوستان آئے ان کو حضرت سرکار سید الہند سیدنا محمد قادری بغدادی رضی اللہ عنہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسی بافیض شخصیت کے نامور نبیرہ حضرت سرکار قاضی سید سلیمان قادری رضی اللہ عنہ ہیں۔

ولادت :- آپ کی ولادت ۲۷ رمضان المبارک ۸۸۹ھ کو امجھر شریف میں ہوئی۔ جب آپ کی ولادت کی خبر حضرت سید الہند کو ہوئی تو بہت مسرور ہوئے اور فرمایا" تبارك اسمه سليمان "چناں چہ آپ کا یہی نام مشہور ہو گیا۔

تعلیم وتربیت:- آپ نے تمام علوم ظاہری و باطنی اپنے جدامجد سے حاصل کیے اور اپنے زمانہ کے ایک زبردست عالم ہو گئے۔ اذکار طیبہ کے مصنف حکیم سید انس قادری صاحب رقم طراز ہیں۔ "آپ جمیع علوم منقول ومعقول میں بحر العلوم وفخر علماے معاصر تھے۔" (اذکار طیبہ، ص ۱۴۷)

اجازت وخلافت:- آپ نے بیعت کا شرف اپنے جد کریم حضرت سید الہند سے حاصل کیا۔ اور انہی سے خرقہ خلافت بھی پہنا اور جمیع روحانی سلاسل قادریہ چشتیہ مداریہ اور سہروردیہ کے مجاز بھی بنائے گئے۔

اشاعت دین:- مرشد گرامی نے اشاعت دین حق کے لیے آپ کو منورہ (ضلع اورنگ آباد، بہار) بھیج دیا۔ حضرت کی آمد سے پہلے منورہ کی حالت ناقابل بیان تھی۔ اکثر اہل منورہ شرک وبدعت کی تاریک وادیوں میں بھٹک رہے تھے۔ انہیں شعاع اسلام دکھانے والا کوئی نہ تھا، ایسی حالت زار میں ضرورت ایسے پیر کامل کی تھی، جو اہل منورہ کو ہدایت کے راستے پر لے چلے۔ لہٰذا منورہ میں آپ نے اس طرح تبلیغ فرمائی کہ اہل منورہ راہ یاب ہو گئے۔ مشہور ومعروف مصنف غلام یحییٰ انجم مصباحی رقم طراز ہیں "اپنے قدوم میمنت لزوم سے آپ نے اس جگہ کو اس طرح منور فرمایا کہ 'منورہ' منورہ ہو گیا۔ یہ منورہ گاؤں ضلع اورنگ آباد میں ہے۔" (تاریخ مشائخ قادریہ جلد سوم، ص ۸۳)

حضرت نے سرزمین منورہ پر ایک مدرسہ موسوم بہ 'مدرسہ محمدیہ' قائم فرمایا جس میں حضرت منطق، فلسفہ اور فقہ کی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ حضرت اکبر بادشاہ کی طرف سے قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے۔ حضرت کے دست پاک سے ہزاروں فتاوے صادر ہوئے۔ جن کے مجموعہ کا نام 'فتاوی مسعودیہ' ہے، جو فارسی زبان میں ہے اور مخطوطہ کی صورت میں آج بھی موجود ہے جو وارثین کی کوتاہی کے سبب اب تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔ حضرت کے علمی جاہ وجلال کے تعلق سے پروفیسر حسن عسکری پٹنہ (Secretary:Bihar Regional Records Survey Committee,Patna,Bihar) رقم طراز ہیں:

"حضرت سید محمد قادری کے پوتے اور پسر ثانی جلال الدین متولد ۸۵۰ھ کے بیٹے حضرت سلیمان قادری کا نام اس خاندان کے قاضی اور نائب قاضی کی طویل سلسلہ میں سب سے پہلے آتا ہے۔ یہ اکبر کی طرف سے قاضی نہایت کبر سنی میں مقرر ہوئے تھے۔ رسالہ جوادیہ کے نسخہ میں خاندان کے ایسے بہت سے افراد کی فہرست ہے جو قاضی القضاۃ اور نائب قاضی کے عہدے پر مامور ہوئے۔ یہ سلسلہ اکبر کے عہد سے East india Company کے عہد تک رہا۔ راقم سطور کو ایک سند مورخہ ۲۰ محرم ۹۸۷ھ ملی جس میں تین مہریں تھیں ایک تو نہایت واضح ہے دو مبہم اور غیر واضح تھیں ان مہروں کے اوپر حاشیہ کی عبارت بڑی اہم ہے کیونکہ حاشیہ کی عبارت میں قاضی یعقوب اور میر حیدر جہاں کا تذکرہ بار بار آتا ہے (مثلاً اللہ اکبر ۱ بموجب تصدیق، وتنقیح مرقومہ قاضی یعقوب قضاء حکایت واراضی مدد معاش بمشار الیہ میراں سید سلیمان اہل علم اولاد حضرت غوث الثقلین امیر سید محی الدین وفرزنداں مقرر ومسلم دانند ۲ مالک الملک بموجب تصحیح وتصدیق مرقومہ قاضی یعقوب بہ مخدوم زادہ..... قضاو خطابت پرگنائے مذکور انچھا و پرگنہ منورہ من اعمال سرکار بہار) درجہ مدد معاش مع فرزندان موافق حکم جہاں مطاع مقرر دانند تصرف آرند ۳ مالک الملک بہ نوشتہ میر حیدر جہاں عمل نمائند میر حیدر جہاں اور قاضی یعقوب کی وقیع شخصیت پر میر ابوالفضل اور عبدالقادر یعنی شہنشاہ اکبر کے مورخوں کے بیانات سے روشنی پڑتی ہے۔"

تصرفات وکرامات:- آپ کے تصرفات اور کرامت کے تعلق سے اذکار طیبہ کے مصنف نے تذکرۃ الانساب کے حوالے سے ایک

تعلق سے اذکار طیبہ کے مصنف نے تذکرۃ الانساب کے حوالے سے ایک واقعہ درج کیا ہے۔ لکھتے ہیں ''کہ مرزا دانیاں بیگ آپ کے عقیدت منداور مخلص مریدوں میں تھے۔ان کے لڑکے کامگار بیگ کوشکار کا بہت شوق تھا۔وہ جنگلوں میں شکار کھیلنے اکثر جایا کرتے تھے۔ایک روز وہ 'تزاڑ' کے جنگل میں شکار کھیلنے کی غرض سے گئے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شیر سامنے آگیا۔وہ گھبراہ کر حضرت شیر یزداں (سرکار قاضی سید سلیمان قادری) کی جانب مدد طلب کرنے کے لیے متوجہ ہوئے۔زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ ایک خوبصورت نوجوان گھوڑے پر سوار ہاتھ میں ننگی تلوار لیے آپہنچا اور ایک ہی وار میں شیر کے دوٹکڑے کردیا۔اس واقعہ کے بعد دونوں باپ بیٹے آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر قدم بوس ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا ''تم کو کیا خبر فقیر کی نظریں۔

دیدہ سعدی ودل ہمراہ تست   تا پنداری کہ تنہا میروی

(تاریخ مشائخ قادریہ جلد سوم، ص ۸۴)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب نے رسالہ قاضی جواد کے حوالہ سے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ رقم طراز ہیں ''آپ کی خانقاہ کے قریب ایک برات آکر ٹھہری جب رات زیادہ گذری آپ حسب معمولات عبادت الٰہی میں مشغول ہوئے۔ خادم سے فرمایا کہ ''اہل برات سے کہہ دو کہ تمہارا وقت گذر چکا، جاؤ سو جاؤ۔میرا وقت آیا ہے میں کچھ کام کروں۔'' اہل برات بہت ناراض ہوئے اور بولے کیا صاحب ہم لوگ مورت ہیں جو چپکے بیٹھے رہیں۔ یہ تو ہم سے نہ ہوگا جو اس خوشی میں باجوں کو بند کردوں۔ خادم نے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔ جب آپ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا جو بات ہونے والی ہوتی ہے وہ ہوکر رہے گی۔ جاؤ دیکھو وہ تو انسان ہی نہیں ہیں جو آدمیوں کا کہا مانے۔سب کے سب بدروح ہیں۔جب صبح ہوتی ہے گذرگاہ عام پر پوری بارات پتھر کی مورتوں میں تبدیل تھی۔ڈھول، تاشے، نوشہ، سیدہ، پالکی غرض جو شریک بارات تھے سب کے سب پتھر تھے۔'' (تاریخ مشائخ قادریہ جلد سوم، ص ۸۵)

آج بھی اسی طرح پوری بارات دولھا سمیت پتھر کے موجود ہے اور منکرین کے لیے ساماں عبرت ہے۔بہار سے نکلنے والے اخبار ''سماریکا'' میں مضمون نگار سکھ دیو سنگھ سہنی لکھتے ہیں جس کو ڈاکٹر انجم نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ''داؤدنگر سے ۱۰ رمیل دھن اوبراتھانہ میں منورہ گاؤں ہے۔جہاں لوگ اپنی مرادیں لے کر جاتے ہیں۔یہاں کئی مزارات میں پتھر کی بنی ایک پوری بارات پارٹی بھی صدیوں سے پڑی ہوئی ہے، جو کسی بزرگ کی بددعا سے پتھر کی مورت بن گئی ہے۔اس بارات پارٹی نے بزرگ کی باتوں کا مذاق اڑایا تھا۔'' (تاریخ مشائخ قادریہ جلد سوم، ص ۸۵)

آپ کی شادی حضرت سرکار سیدنا پاک کی اجازت سے آپ کے عم بزرگوار حضرت سید شاہ نظام الحق والدین کی صاحبزادی مسماۃ نعمت بی بی سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادے حضرت سید شاہ مسعود قادری متولد ہوئے۔سلسلہ کا فیضان حاصل کرنے کے بعد جب آپ نے منورہ کی سرزمین پر قدم رکھا تو منورہ کی قسمت کا ستارا بلند ہوگیا۔صبح وشام لوگ جوق در جوق اس سرزمین پر آنے لگے۔کچھ لوگ تو ایسے تھے جنھوں نے آپ کی خدمت میں حاضری دی اور ہمیشہ کے لیے وہیں کے ہوکر رہ گئے۔آج بھی پانچ مردان غیب ہیں جو حضرت کے مریدین ومعتقدین کی آڑے وقت میں مدد کرتے ہیں اور کامیابی کی بشارت دیتے ہیں۔

آج بھی ہزاروں افراد اپنی اپنی فریاد لے کر اس در پر آتے ہیں اور کامل شفا کے بعد واپس جاتے ہیں۔بہت سے افراد ایسے ہیں جن کو خواب میں بشارت دی جاتی ہے کہ آپ فلاں مقام پر فلاں وقت پر لیٹ جائیں جب وہ مریض مقام مقررہ اور مقررہ وقت پر لیٹ جاتا ہے تو جناتوں کے ذریعہ بے ہوش کرنے کے بعد مریض کا آپریشن کیا جاتا ہے۔محبّ محترم مفتی افسر رضا قادری مصباحی نے ایسے بہت سے مریضوں سے ملاقات کی جن کا جناتوں کے ذریعہ آپریشن کیا گیا تھا۔انھوں نے مریضوں کے پیٹ میں آپریشن کے واضح نشانات بھی دیکھے۔اس تعلق سے ایک خبر بہار کے 'روزنامہ راشٹر سہارا' 09/12/2008 میں شائع ہوچکی ہے۔

وصال :-۱۹ رشعبان المعظم ۱۰۲۶ھ کو حضرت کا وصال ہوا۔ آپ کے وصال فرمانے کے بعد بہ عہد اورنگ زیب عالم گیر محمد بیگ خیاط منورہ شریف نے بغرض ایصال ثواب آپ کی روح پرفتوح پر جو دیگ نیاز دلوائی وہ گرم تھی۔اس تقریب کے بعد وہ کسی ضرورت سے بستی کے باہر باغ میں گئے۔وہاں ایک سوار کو مشکی گھوڑے پر اپنی طرف آتے دیکھا اس سوار نے کہا کہ 'کیا تم ہی محمد بیگ ہو' انہوں نے کہا: ہاں! سوار نے کہا ''تم نے حضرت کی فاتحہ کی دیگ گرم دلوائی اس لیے آپ کی انگلیوں میں آبلے آگئے آئندہ ایسی جرات نہ کرنا اور سب لوگوں کو تاکید کردینا کہ کسی بزرگ اہل اللہ کے نیاز کی چیزوں کو کبھی گرما کے نیاز نہ دلوانا ورنہ نفع کی جگہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔''

☆☆☆☆☆

آئینۂ وطن

بابری مسجد

کچھ اور دامن بھی ہیں داغ داغ

صابر رضا رہبر

حکمت الٰہی کے اس پہلو کو کیا کہا جائے کی شاہ جہاں نے دہلی میں مسجد بنوائی تو اسے خلق خدا میں ایسی قبولیت حاصل ہوئی کہ کیا اہل ایمان اور کیا دولت ایمان سے تہی دست، لوگ جوق در جوق اس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور نماز کا کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ ایک امام کی اقتدا میں ہزاروں سر اپنے رب حقیقی کے حضور سجدہ ریز نظر نہ آتے ہوں۔اتنا ہی نہیں، بلکہ اس سے وابستگی بھی باعث عزوشرف بن جاتی ہے۔اس کے برعکس بابر کے سپہ سالار میر باقی نے ایسی ہی ایک عبادت گاہ اجودھیا میں تعمیر کرائی، شہرت تو اس کو بھی خوب ملی، مگر غلط اسباب سے۔ہر چند کہ یہ مسجد اپنے فن تعمیر کے بعض پہلوؤں کی وجہ سے یکتا تھی لیکن بدقسمتی سے تلخی اور تنازعہ کا سبب بن کر رہ گئی۔

ہمارا یہ مقام نہیں کہ شاہ جہاں کو للٰہیت کی سند عطا کریں یا میر باقی کے اخلاص پر شک کا اظہار کریں، تاہم یہ سوال ضرور ذہن میں آتا ہے کہ تدبیر دونوں کی ایک، مگر تقدیر میں یہ تضاد و تفاوت کیوں؟ بزرگوں سے سنا ہے کہ کوئی تدبیر اس وقت تک بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ تفقہ فی الدین، توکل علی اللہ اور تزکیہ شامل نہ ہوں۔

یاد کیجیے! حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ پہنچ کر پہلی مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے یہ معلوم کرلیا کہ قطعہ آراضی کا مالک کون ہے؟ اور جب اس کے نابالغ مالکان اور ان کے ورثا نے بہ رضاورغبت زمین ہدیہ کرنے کی پیش کش کی تو آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا بلکہ مروجہ شرح سے زیادہ رقم ادا کرکے پہلے اس کو خریدا اور پھر مسجد بنوائی۔بعض تاریخی اسناد اور کچھ حالات کی بنا پر یہ گمان ہوتا ہے کہ مفتوح عوام پر سیاسی رعب ودبدبے کی مصلحت میر باقی پر کچھ اس طرح حاوی آگئی کہ مسجد کی تعمیر کے لیے قطعہ آراضی کا انتخاب کرنے میں جس احتیاط کی مثال خود نبی کریم ﷺ نے قائم کی تھی، اس کی اتباع میں اس سے چوک ہوئی ہے، ورنہ یہ معاملہ اکبر کے دربار میں نہ جاتا، جس کے بعد مسجد کے احاطے میں، صدر دروازے سے متصل ایک ۱۷ رفٹ چوڑا ۲۱ رلمبا وہ چبوترا تعمیر ہوا، جس پر رام للا، سیتا اور لکشمن کی مورتیوں کی پوجا ہوتی تھی۔یہی مورتیاں تھیں جن کو ۲۲-۲۳ ر دسمبر ۱۹۴۹ء کی درمیانی رات میں مسجد کے ممبر پر پہنچادیا گیا اور مسجد میں نماز کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

«بابری مسجد» جو ۱۹۴۰ء تک «مسجدِ جنم استھان» کے نام سے معروف تھی، کا قضیہ صدیوں تک مقامی نوعیت کا رہا۔لیکن تقسیم وطن کے بعد اس کی نوعیت بدل گئی۔اب یہ قضیہ ہندو احیا پرستی کی تحریک کا ایک حصہ بن گیا۔تقسیم وطن کے بعد شمالی ہند کے مسلمان سیاسی طور پر مقہور اور نفسیاتی طور پر سخت مجروح ہوچکے تھے۔کانگریس کی ہندو قیادت نے، جس میں بدقسمتی سے گاندھی جی اور نہرو بھی شامل ہوگئے، تقسیم کا فارمولہ منظور کرکے عملاً «دوقوم - دوملک» نظریہ پر اپنی مہر لگادی تھی۔ان حالات میں جب بابری مسجد میں مورتیاں رکھ کر تالا لگادیا گیا تو اس کے خلاف کوئی موثر آواز نہیں اٹھائی جاسکی۔جواہر لال نہرو نے، بحیثیت وزیر اعظم یو.پی. کے وزیر اعلیٰ پنڈت گووند بلبھ پنت کو متوجہ کیا اور مورتیاں ہٹوانے کے لیے کہا تو، پنت کو، جو خود ہندو احیا پرستوں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، اپنے ہم خیال مرکزی لیڈروں کی حمایت حاصل ہوگئی اور مورتیاں نہیں ہٹائی گئیں۔

آزاد ہندستان میں ہندو احیا پرستی کے اس نئے دور کا آغاز سومناتھ مندر کی تعمیر نو سے

سمجھا جاتا ہے۔ خود وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے اس منصوبہ کو برملا «ہندو احیا پرستی» کی مہم قرار دیا تھا۔ ڈاکٹر راجندر پرساد اور سردار پٹیل کی ایما پر شروع کی گئی اس تحریک کو گاندھی جی کا بھی آشیرواد حاصل تھا اور «سیکولر ہندستان» کے پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر پرساد نے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کی اصولی مخالفت کے باوجود سومناتھ جا کر افتتاحی جلسہ میں شرکت کی اور اس منصوبہ کو ہندستان کی ویسی ہی خوش حالی کا پیش خیمہ قرار دیا، جیسا ماضی میں یہ مندر سمجھا جاتا۔ مسٹر نہرو کی کابینہ کے ایک وزیر کے ایم منشی نے، جو سردار پٹیل کی وفات کے بعد اس تحریک کے لیڈر بنے، اس کو «ہندوؤں کے ساتھ ناانصافی» کا ازالہ قرار دیا تھا۔ بہت کم لوگوں کو شاید یہ بات معلوم ہوگی کہ سومناتھ مندر تعمیر کے لیے صدیوں سے وہاں موجود ایک مسجد کو بھی ہٹا دیا گیا تھا اور اس کے عوض دوسری جگہ ایک مسجد تعمیر کرادی گئی تھی۔ لال کرشن اڈوانی نے اجودھیا میں رام مندر کی تحریک کے لیے اپنی رتھ یاترا سومناتھ مندر سے اسی لیے شروع کی تھی کہ وہ ایودھیا میں بھی اس منصوبہ کا عکس اتارنا چاہتے تھے اور اسی لیے وہ بار بار «بابری مسجد کو دوسری جگہ منتقل» کرنے کے نظریہ پر اصرار کرتے تھے۔

ہر چند کہ لبراہن کمیشن نے اپنی حالیہ متنازعہ رپورٹ میں ہندو احیا پرستی کے فروغ اور مسجد کے انہدام کے لیے ساز گار حالات پیدا کرنے کے لیے صرف سنگھ پریوار کو ہی نشان زد کیا ہے، لیکن مجھے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں کہ بابری مسجد کا وجود صرف بھگوا دھاریوں کی نظروں میں ہی خار نہیں تھا، بلکہ بہت سے سفید کھدر دھاریوں کی نگاہ میں بھی باعث عار تھا۔ برطانوی مورخ «آرنلڈ ٹوئنبی» کا تاثر تو اس سے بھی شدید ہے، جس کو «اکونومک ٹائمز» (۱۸ر ستمبر ۱۹۹۷ء) میں نقل کیا گیا ہے: «آرنلڈ ٹوئنبی نے ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ہندستان کے دورے کے موقع پر کہا تھا کہ (ہندو) دانش ور بابری مسجد کے وجود کو ہندوؤں کی توہین قرار دینے کی رائے پر متفق ہیں۔

Arnold Toynbee during his visit to the country in fiftees said the (Hindu) intelligentsia was unanimous in decribing that the existence of the Babri Masjid was an insult to the Hindus.

یہ حقیقت بھی جگ ظاہر ہے کہ اس مقامی تنازعہ کو قومی مسئلہ بنانے اور اس سے سیاسی فائدہ اٹھانے کا سنگھ پریوار کا حربہ، دراصل سیاست کے کھیل میں نہلے پر دہلے کا حکم رکھتا ہے۔ لبراہن کمیشن نے جس طرح ہندو احیا پرستی کی تحریک کے لیے عبوری وزیر اعظم گلزاری لال نندا کو یاد رکھا، اچھا ہوتا کچھ دوسرے لیڈروں کو بھی یاد رکھا ہوتا۔ نندا جی کے فوراً بعد وزیر اعظم کے منصب پر فائز ہوتے ہی لال بہادر شاستری نے آر. ایس. ایس. کے سرسنگھ چالک گورو گولوالکر سے اپنی رہائش گاہ پر مدعو کر کے ان سے طویل ملاقات کی تھی جس میں «راشٹر کے نو نرمان کے لیے گہن منترنا» (ملک کے تشکیل جدید کے لیے گہرائی سے صلاح و مشورہ) کیا گیا۔ اس ملاقات کے بعد ۲۶ر جون ۱۹۷۵ء کو ایمرجنسی کے نفاذ تک مرکزی حکومت اور آر. ایس. ایس. کے درمیان رابطوں اور خوش گوار رشتوں کی اپنی ایک تاریخ ہے، جس میں آر. ایس. ایس. کی فرقہ پرستی کو «قوم پرستی» کا تمغہ عطا کیا گیا۔

خیر یہ تو ماضی کے قصے ہیں۔ اس تحریک کی چنگاری کو شعلہ بنانے میں ماضی قریب کے بعض اہم لیڈروں کے نام بھی کمیشن کو یاد نہیں رہے، حالانکہ ان میں سے کئی سیاست دانوں کے نام عوام کے ذہنوں میں آج بھی تازہ ہیں۔ مثلاً راجیو گاندھی کی کابینہ کے وزیر داخلہ سردار بوٹا سنگھ اور وزیر مملکت برائے داخلی سلامتی ارون نہرو کے نام کس کو یاد نہیں، جنھوں نے راجیو گاندھی کو ورغلا کر پہلے مسجد کا تالا (یکم فروری ۱۹۸۶ء) پوجا پاٹھ کے لیے کھلوا کر مسجد کو عملاً باضابطہ مندر میں تبدیل کرادیا اور پھر دھوم دھام سے عین الیکشن سے قبل شیلانیاس (۱۰ر نومبر ۱۹۸۹ء) کرایا اور پھر انتخابی مہم کا آغاز بھی اجودھیا سے «رام راجیہ» کے وعدے کے ساتھ کرایا۔ یہاں یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ راجیو گاندھی ہر چند کہ سیاسی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے، مگر ان کو سیاست سے مطلق کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ۱۹۸۰ء میں چھوٹے بھائی سنجے گاندھی کی ہوائی حادثہ میں موت کے بعد ان کو زبردستی سیاست میں لایا گیا تھا اور صرف چار سال بعد ۱۹۸۴ء میں وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی کے قتل کے بعد اچانک وزیر اعظم کے منصب پر بٹھا دیا گیا تھا۔ یہ اتفاقات سیاسی تجربہ کا بدل نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ ابتدا میں ان کو بہت کچھ اپنے مشیروں پر منحصر رہنا پڑا۔ اس لیے دوردرشن پر پورے ایک سال تک «رامائن سیریل» کی نمائش سے لے کر، جس کی بدولت عوام کے ذہنوں میں شری رام کے کردار

کی عظمت کے نقوش اچھی طرح نکھر گئے، بابری مسجد کا تالا کھلوانے، عین الیکشن سے قبل شیلانیاس کرانے اور «رام راجیہ» کا بھولا بسرا سبق یاد دلانے کی حکمت عملی خود جدید ذہن و فکر کے حامل راجیو گاندھی کی سوچ کا نہیں بلکہ ان کے انہی مشیروں کی سیاسی حکمت عملی کا نتیجہ تھے۔ راجیو گاندھی کے دماغ میں یہ بات بٹھادی گئی تھی کہ مسلم مطلقہ بل سے مسلمان خوش ہو جائیں گے اور شیلانیاس سے ہندو۔ وہ اس تکلیف دہ سماجی حقیقت سے بے خبر تھے کہ مسلمانانِ ہند کی نگاہوں میں مسجد کی جو اہمیت ہے وہ شرعی عائلی قوانین کی نہیں۔ [اس کا ثبوت سامنے ہی موجود تھا۔ ہماری جس قیادت نے مطلقہ کو سابق شوہر سے گزارہ دلوانے کے فیصلے کے خلاف ملک گیر مہم چلائی تھی، وہ کبھی عورتوں کا شرعی حق وراثت قانوناً قائم کرانے کے لیے اس طرح مضطرب نظر نہیں آئی۔ چناں چہ مسلم معاشرے میں عورتوں کے حق وراثت مار لینے والے ہرگز کوئی سبکی یا شرمندگی محسوس نہیں کرتے۔ البتہ مسجد یا امام باڑے کی کوئی ایک اینٹ بھی گرا دیتا ہے تو اضطراب پھیل جاتا ہے۔]

۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو مسجد کے انہدام کے افسوسناک واقعہ سے قبل یہ نظر آنے لگا تھا کہ جتنے بڑے پیمانے پر ملک بھر سے «کار سیوک» اجودھیا پہنچنے والے ہیں، وہ کسی حادثے کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ انہدام سے قبل جب گورنر بی ستیہ پال ریڈی نے وزیر اعظم کو مطلع کیا کہ وہ ریاست میں گورنر راج کی سفارش بھیج رہے ہیں مگر مسٹر راؤ نے ان سے کہا کہ وہ انتظار کریں۔ یہ انتظار اس وقت ختم ہوا جب انہدام کے بعد ۶ر دسمبر کی شام کو مسٹر کلیان سنگھ نے استعفا دیدیا۔ اس سے قبل ۲۳ر نومبر ۱۹۹۲ء کو قومی یکجہتی کونسل کی ایک میٹنگ دہلی میں وزیر اعظم نرسمہا راؤ کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں اتفاق رائے سے وزیر اعظم کو مسجد کے تحفظ کے لیے ہر ضروری اقدام کا اختیار دیا گیا۔ لیکن ان کے وزیر داخلہ مسٹر ایس. بی. چوان کا بیان ہے کہ: جب مجھے پتہ چلا کہ اجودھیا میں کچھ گڑ بڑ ہے تو میں وزیر اعظم کی رہائش گاہ پہنچا۔ وہ ٹی. وی. دیکھ رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ ٹی وی دیکھنے لگا۔ جب مسجد کا انہدام مکمل ہوگیا تو وزیر اعظم آرام کرنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کانچی کے شنکر آچاریہ نے دہلی کے ایک بھرے جلسے میں، جس میں مسٹر راؤ بھی سامنے ہی بیٹھے تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ مسٹر راؤ کی شردھا سے وہاں رام مندر بن سکا ہے۔ مسٹر راؤ نے مرتے دم تک اس بات کی تردید نہیں کی۔ کانگریس نے بھی ان کو لوک سبھا کا ٹکٹ نہ دے کر اور یو. پی. اے. چیرپرسن محترمہ سونیا گاندھی نے کمال فراخ دلی اور حوصلہ مندی سے مسجد کے شہادت پر قوم سے معافی مانگ کر مسجد کے انہدام میں ان کے رول کو تسلیم کر لیا تھا۔ کمیشن نے ان کے عدم اقدام کے لیے بعض قانونی مجبوریوں کا حوالہ دیا ہے۔ حالاں کہ یہ قانونی مجبوریاں اس وقت بھی موجود تھیں جب ۱۹۸۴ء میں بھی مرکز نے جرنیل سنگھ بھنڈرانوالا کے خلاف «آپریشن بلو اسٹار» کا حکم دیا تھا۔

میرا دل کہتا ہے کہ اڈوانی جی کے اس بیان پر شک نہیں کیا جانا چاہیے کہ ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کا دن ان کی زندگی کا سب سے الم ناک دن تھا۔ ہر چند کہ ان کی نظر میں بابری مسجد کا وجود ہندوؤں کے لیے «توہین» تھا، تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس دن بابری مسجد ہی نہیں ٹوٹی تھی، بلکہ اڈوانی جی اندر سے ٹوٹ گئے تھے۔ بھلا اجودھیا تحریک کے سب سے قد آور لیڈر کی زندگی میں اس سے شدید المیہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ سنگھ پریوار کی «برہمنی قیادت» نے بابری مسجد کے انہدام کا بھرپور تفصیل کے ساتھ منصوبہ بنالیا اور اس کے نفاذ کی زبردست تیاری بھی کر لی، مگر ان سے مشورہ تو دور کی بات، اپنے «سندھی مہاجر سیوم سیوک» کو اس اعتماد کے قابل بھی نہیں سمجھا کہ ان کو اس منصوبے کا علم ہی ہو جاتا!! اسی لیے یہ دن اڈوانی جی کے لیے ان کی زندگی کا سب سے الم ناک دن بن گیا۔ آخر یہ بات کیا ان کی سمجھ میں نہیں آئی ہوگی کہ اتنی بڑی اور پختہ عمارت، جس کو بقول کلیان سنگھ «زمین بوس کرنے کے لیے کوئی ٹھیکیدار بھی ڈیڑھ دو ماہ سے کم وقت نہ لیتا، صرف پانچ گھنٹے میں مسمار بھی کر دی گئی اور اس کا سارا ملبہ بھی صاف کر دیا گیا»، یہ اتنا بڑا کام اچانک ابل پڑنے والے جوش اور جنون کا نتیجہ نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لیے وسیع منصوبہ سازی اور ٹریننگ کی ضرورت پڑی ہوگی۔ چناں چہ اڈوانی جی نے پارٹی صدر کی حیثیت سے بھاجپا کے ترجمان «بی. جے. پی. ٹوڈے» (۱۶-۳۰ ستمبر ۱۹۹۷ء) میں اپنے دستخط شدہ اداریہ میں لکھا تھا کہ «بابری مسجد کا انہدام افسوس ناک نہیں ہے بلکہ جس طرح اس کو توڑا گیا وہ افسوسناک ہے۔»

Demolition is not a matter of regret. "What is regretted is the manner in which it happened. "

سابری مسجد انہدام کی خفیہ منصوبہ سازی ہی اپنی نوعیت کا کوئی اکلوتا واقعہ نہیں ہے بلکہ پریوار کی برہمنی قیادت نے اور بھی کئی اہم فیصلے اڈوانی جی کو اعتماد میں لیے بغیر کیے۔ مثلاً نائب وزیر اعظم اور وزیر داخلہ کے اہم مناصب پر فائز ہونے کے باوجود ان کو اظہر مسعود، مشتاق زرگر اور عمر سعید جیسے انتہائی مطلوب دہشت گردوں کو جیلوں سے نکال کر قندھار پہچانے کے فیصلہ کا علم بعد میں ہوا۔

بابری مسجد کے انہدام سے اڈوانی جی کو اس لیے بھی شدید صدمہ ہوا ہوگا کہ ان کی دور اندیش سیاسی نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ بابری مسجد کا وجود اس مرغی کے مثل ہے جو ہر الیکشن کے موقع پر سونے کا انڈا دے گی۔ چناں چہ ۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۹ء کے پارلیمانی چناؤ میں اس موضوع سے محرومی کا سب سے زیادہ خمیازہ خود ان کو اٹھانا پڑا اور ملک کا پہلا سندھی وزیر اعظم بن جانے کا ان کا خواب چکنا چور ہو گیا۔

لبراہن کمیشن کو اس سازش میں اٹل بہاری باجپئی کا حوالہ شاید اس لیے شامل کرنا پڑا کہ انہوں نے انہدام سے صرف ایک دن پہلے لکھنؤ میں کارسیوکوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: «نوکیلے پتھروں پر بیٹھا نہیں جا سکتا اس لیے دھرتی کو سمتل کرنا ہوگا۔»

مرلی منوہر جوشی نے بھی متھرا میں مسجد کو گرا دینے کی بات کہی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے جس سازش کا علم اڈوانی جی کو نہیں تھا، وہ بھاجپا کے ان دونوں برہمن لیڈروں کو معلوم تھی۔ لیکن باجپئی جی کا نام آجانے سے حکومت کے ہاتھ بندھ گئے ہیں۔ کیوں کہ ان کی سیاست دانی اور جرأت مندی کو خود وزیر اعظم ڈاکٹر من موہن سنگھ پارلیمنٹ میں خراج تحسین پیش کر چکے ہیں۔ چناں چہ کمیشن کی رپورٹ کے ساتھ جو کاروائی رپورٹ پارلیمنٹ میں پیش کی گئی ہے، وہ محض خانہ پُری ہے۔ حکومت انصاف کے تقاضوں کی پروا نہیں کیا کرتی بلکہ سیاسی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر اقدام کیا کرتی ہے۔ چناں چہ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اس رپورٹ پر ہرگز کوئی کاروائی نہیں ہوگی۔

ہمیں مسٹر راشد علوی کی اس رائے سے اتفاق ہے:

«ایسے معاملوں کو بار بار اٹھانا نہ تو ملک کے لیے اچھا ہے اور نہ اقلیت کے لیے.... بابری مسجد شہید ہو چکی ہے.... اب یہ کوئی سیاسی ایشو نہیں رہ گیا ہے۔ وہاں مندر بن چکا ہے اور ایسے آثار نظر نہیں آرہے کہ وہاں دوبارہ مسجد بن سکے گی»۔

اب سوال یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ یہ بات صحیح ہے کہ موجودہ حالات میں کوئی سیاسی تحریک چلانا قرین مصلحت نہیں ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم مایوس ہوکر از خود اپنے حق سے دست بردار ہونے کا اعلان کر دیں۔ ہماری قیادت بار بار یہ اعلان کر چکی ہے کہ ہم عدالت کے فیصلے کو قبول کریں گے۔ چناں چہ عدالت میں مسجد کے مالکانہ حق کا جو مقدمہ چل رہا ہے، اور جس کا فیصلہ آئندہ کچھ دنوں میں منظر عام پر آنے والا ہے، کوشش یہ کی جانی چاہیے کہ اس کا فیصلہ، حق کا فیصلہ ہو اور قانونی موشگافیوں کا شکار بن کر نہ رہ جائے۔

دوسرا اہم کام یہ کیا جانا چاہیے کی مرکزی حکومت سے شدو مد کے ساتھ یہ مطالبہ کیا جائے کہ کمیشن کے اس انکشاف کی گہرائی سے جانچ کرائے کہ «مسجد کا انہدام اچانک رونما ہونے والا واقعہ نہیں تھا بلکہ ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا۔ انہدام کا منصوبہ "باریک بینی" سے یار کیا گیا تھا»۔ حالات سے اس انکشاف کی تائید ہوتی ہے۔ سی. بی. آئی. نے بھی ابتدا میں جو فرد جرم عدالت میں داخل کی تھی اس میں مجرمانہ سازش کی دفعہ موجود تھی، جس کو بعد میں کسی دباؤ میں آکر ہٹا لیا گیا تھا۔

سازش کے اس پہلو کی تائید بجرنگ دل کے شریک قومی کنوینر ہریش بھٹ کے اعتراف سے بھی ہوتی ہے کہ «مسجد کے انہدام کے لیے اس کی نگرانی میں بجرنگ دل کے ۴۰ نوجوانوں کو وسیع تربیت دی گئی تھی۔ اس تربیت کا ایک مرکز احمد آباد کی نواحی بستی سرخیج میں تھا» ہریش کا یہ بیان تہلکہ نے ایک خفیہ آپریشن کے دوران فلمایا تھا۔

اب ظاہر ہے کہ یہ منصوبہ نہ تو ایک دو دن میں بن گیا ہوگا، نہ ایک دو آدمیوں نے بنا لیا ہوگا اور نہ عمارت کے انہدام کی تربیت ایک دن میں پوری ہو گئی ہوگی۔ اہم سوال یہ ہے اتنی بڑی تیاری ہو گئی اور ہماری خفیہ ایجنسیوں سے اس کی کوئی پیشگی اطلاع حکومت کو نہیں ملی؟ بابری مسجد کے انہدام کے سلسلہ میں ہمارے نزدیک سب سے اہم سوال یہی ہے، جس کی طرف حکومت کو متوجہ کیا جانا چاہیے کہ وہ سازش کے اس پہلو کی گہرائی سے جانچ کرائے اور یہ دیکھے کہ کیا سازش ملک کے سیکولر آئینی نظام کو دریا برد کر کے «ہندو [برہمنی] راشٹر» قائم کرنے کی مہم کا تو حصہ نہیں ہے؟ یہ حکومت کی آنکھ اور کان سمجھی جانے والی خفیہ ایجنسیوں کی نااہلی ہے یا جان بوجھ کر چشم پوشی یا پھر ان سازشوں میں خود اس کے «برہمنی ذہنیت» کے افسران کا ہاتھ تو نہیں ہے، جن کو «ہندو راشٹر» کے مہم بازوں نے منصوبہ بند طریقے سے ان میں نصب کر دیا ہے۔

ایک نظریہ یہ ہے کہ اس طرح کی جتنی بھی کاروائیوں میں سنگھ پریوار کی سازش کار فرما رہی ہے، خفیہ ایجنسیوں کے بعض افسران نے جان بوجھ کر ان کی پردہ پوشی کی۔ مثال کے طور پر مالیگاؤں ناندیڑ، حیدرآباد، اجمیر شریف، جے پور اور احمد آباد میں بم دھماکے ہوئے، سمجھوتہ ایکس پریس دہشت گردی کا نشانہ بنی، ابھی حال ہی میں گوا میں دھماکے ہوئے، کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ خفیہ ذرائع سے دہشت گردی کے ان سنگین واقعات کی کوئی پیشگی اطلاع نہیں ملی؟ اور اگر ملی تو کیا کسی خاص مصلحت کے تحت اس اطلاع پر کاروائی نہیں کی گئی؟

یہ بات قابل ذکر ہے کہ دہشت گردی کے ان تمام واقعات میں آئی. بی. نے بڑی عجلت میں نام نہاد مسلم تنظیموں اور افراد کو یا پڑوسی ملک کو موردِ الزام ٹھہرا کر ملک میں مسلم مخالف فضا سازی میں سنگھ پریوار کی معاونت کی ہے، جب کہ ھیمنت کرکرے کی قیادت میں مالیگاؤں دھماکوں کی جانچ کے دوران یہ انکشاف ہوا کہ یہ سب سنگھ پریوار سے وابستہ افراد اور تنظیموں سازش تھی، جس کے لیے باضابطہ ملک بھر میں تربیتی کیمپ لگائے گئے تھے اور دہشت گردی کی ٹریننگ دی گئی تھی اور ملک بھر میں بم دھماکے کیے گئے تھے۔ مگر آئی. بی. نے ان ساری تیاریوں سے چشم پوشی کی اور اس طرح ان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

انہدام کے وقت فیض آباد میں تعینات ڈی. ایم.، آر. این. سریواستوا نے کمیشن میں جو بیان دیا تھا اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بابری مسجد معاملہ میں بھی آئی. بی. نے کچھ ایسا ہی رخ دینے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے بتایا تھا کہ ضلع انتظامیہ کو آئی. بی. سے تین طرح کی رپورٹیں ملی تھیں۔ «پوجا سامگری کی صورت میں گولا بارود رام جنم بھومی مندر میں لایا جا سکتا ہے، کارسیوکوں پر راکٹوں سے دہشت گرد حملہ ہو سکتا ہے یا کارسیوکوں میں آئی. ایس. آئی. کے ایجنٹ شامل ہو کر گڑ بڑ کر سکتے ہیں»۔ انہوں نے کمیشن کو یہ بھی بتایا کہ آئی. بی. نے ایسی کوئی رپورٹ نہیں دی تھی کہ کارسیوک مسجد پر حملہ کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ «آئی. بی. کے لوگ وہاں موجود تھے اور ایس. ایس. پی. برابر ان سے رابطے میں تھے۔»

اس بیان سے اس اندیشہ کو تقویت ملتی ہے کہ سنگھ پریوار، جو ملک کے موجودہ سیکولر آئینی نظام کو ختم کر کے «ہندو [برہمنی] راشٹر» قائم کرنے کی جدوجہد میں لگا ہوا، اور رام مندر کی تحریک جس کا ایک حصہ ہے، اس میں کہیں ہماری خفیہ ایجنسیوں کے بعض افسران بھی تو ملوث نہیں ہیں؟

بابری مسجد کی عمارت کو کوئی ہاتھوں سے نہیں گرا دیا گیا بلکہ اس کے لیے باضابطہ لوہے کے بھاری اوزار ہتھوڑے اور گھتیاں وغیرہ استعمال کیے گئے۔ مگر خفیہ ایجنسیوں کو وہ اوزار نظر ہی نہیں آئے؟ کیا یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے؟ ہماری نظر میں اس رپورٹ کا یہ پہلو اہم ترین ہے کہ حکومت سنجیدگی سے اس سوال پر غور کرے اور اس معاملے کی گہرائی سے جانچ کرائے کہ کیا اس سازش کا بروقت پتہ نہ لگ پانا، خفیہ نظام کی ناکامی ہے یا کسی سازش کے تحت اس کو چھپایا گیا، اور کیا اس میں سازش کو چھپائے رکھنے میں اس وقت مرکزی حکومت کے کچھ اہم ذمہ دار تو ملوّث نہیں تھے؟ یہ جانچ سپریم کورٹ کسی جج کی سربراہی میں ماہرین کی ایسی بااختیار کمیٹی سے کرائی جانی چاہیے جس کے ارکان اپنے سیکولر نظریہ اور گہری نظر میں ممتاز ہوں، اور جن سے کوئی مطلوبہ فائل «خفیہ» یا «حساس» قرار دے کر چھپائی نہ جا سکے۔

بادی النظر میں ایسا لگتا ہے اس سانحہ کے لیے (اور اسی طرح کی دوسرے انتہا پسندانہ کاروائیوں کے لیے) سب سے بڑی خطاکار خفیہ ایجنسیاں ہیں، جو تو مسلمانوں کا ہوا بنا کر پیش کرنے اور ان کو خوں خوار دہشت گردی میں ملوث باور کرانے کے لیے افواہیں بھی خوب پھیلاتی رہتی ہیں، بغیر تصدیق و سند مسلم نوجوانوں کو جیلوں میں ٹھونستی رہتی ہیں، مگر دہشت گردانہ واقعات کے رونما ہونے تک ان سے «بے خبر» رہتی ہیں۔

آئینۂ عالم

پہنچی وہیں پہ خاک

ابو التمش

ستر کی دہائی میں جنوبی امریکہ ایک سوشلسٹ انقلاب کے دور سے گزر رہا تھا اور وہاں سیاسی اصلاحات کا عمل شروع ہو چکا تھا اور نہ صرف اہم صنعتوں اور عوام کو سہولت فراہم کرنے والے اداروں کو بلکہ بینک اور دوسرے معاشی اداروں کو بھی قومی تحویل میں لے لیا گیا تھا اور سرمایہ دار سیاست دانوں پر پابندیاں لگا دی گئی تھیں۔ ان میں سے بہت سارے سیاست داں اپنے اپنے ممالک سے فرار ہو کر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی پناہ میں چلے گئے اور وہاں سے اپنے اپنے ملک کے خلاف بیان بازی کرنے لگے۔ اس وقت تقریباً پورے لاطینی امریکہ کا یہی حال تھا۔

سرمایہ دار دنیا کے لیے سوشلسٹ انقلاب کسی خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھا، اس لیے ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت ان ممالک میں بغاوت پھیلائی جانے لگی، جرائم پیشہ اور تخریبی رجحانات رکھنے والوں کو بھرتی کر کے امریکہ اور جنوبی امریکہ کے بعض ملکوں میں قائم فوجی تربیت کے اسکولوں میں دہشت گردی اور تخریب کاری کی تعلیم دی جانے لگی، جہاں انھیں بتایا جاتا کہ قتل عام کس طرح کرنا ہے، لوگوں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے آتش زنی اور بم بلاسٹ کس طرح کرتے ہیں اور اپنے مخالفین کو اغوا کر کے اپنے راستے سے کیسے ہٹانا ہے، زیر حراست لوگوں کو ٹارچر کر کے کس طرح انھیں اپنی مرضی پر چلنے پر مجبور کرنا ہے۔ انھیں شہریوں کو اغوا کرنے کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔

ان دنوں چھٹے ہوئے مجرموں کے فرار کی کہانیاں عام تھیں جو بند جیلوں سے اور عدالتوں میں جاتے ہوئے فرار ہو جاتے تھے، پر اسرار مسلح افراد انھیں چھڑا کر لے جاتے تھے۔ ان مسلح افراد کے بارے میں کسی کو خبر نہیں ہوتی تھی کہ وہ کہاں سے آتے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں۔ برسوں بعد انکشاف ہوا کہ پورے جنوبی امریکہ سے ایسے مجرموں اور بد معاشوں کو جمع کرنے کا منصوبہ سی. آئی. اے. نے تشکیل دیا تھا اور پہلے مقامی جرائم پیشہ افراد کی خدمات حاصل کر کے جیلوں میں بند مجرموں کو آزاد کرایا تھا۔ آزاد کرائے جانے والے مجرموں کو بحری جہازوں اور طیاروں کے ذریعہ امریکہ اور دیگر علاقوں میں قائم دہشت گردی کے اسکولوں میں پہنچا دیا گیا جہاں انھیں قتل و غارت گری کی تربیت دی جانے لگی تھی۔ کئی سال تک سخت تربیت کے مراحل سے گزار کر ان کو ان کے ملکوں میں واپس بھیجا گیا جہاں ان کے ذریعہ مقامی حکومتوں کے خلاف مسلح بغاوتوں کا آغاز کیا گیا انھیں اسلحہ اور رقم بھی فراہم کی گئی، جس سے انھوں نے ملیشیا بھی تشکیل دیں اور ان ملیشیاؤں نے پورے جنوبی امریکہ میں قتل و غارت گری کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ بد امنی کی آڑ میں متعدد ملکوں میں فوج نے اقتدار پر مکمل قبضہ کر لیا۔ ان فوجی حکمرانوں نے انقلابی سیاست دانوں میں سے کچھ کو جیلوں کی نذر کر دیا، کچھ کو مار دیا یا جلا وطن کر دیا، اس کے ساتھ ہی اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے عوام کو بھی نشانہ بنایا گیا، جس نے ذرا سی بھی آواز بلند کی اسے اٹھا کر جیل میں پھینک دیا جاتا، جہاں وہ مہینے سالوں جیل میں سڑتا .... ان میں سے بہت سے زندہ نہ رہے، کئی ایک کو سرے سے غائب کر دیا گیا اور جو بد نصیب زندہ رہے ان کی زندگی موت سے بھی بد تر بنا دی گئی۔ مسلح انقلابیوں کو چن چن کر مارا گیا۔ وہ لوگ جو کبھی اپنے عوام کے لیڈر اور ہیرو ہوا کرتے تھے انھیں مجرم قرار دے کر ان سے مجرموں سے بھی بد تر سلوک کیا گیا۔ ستر اور اسّی کے عشرے میں پورا جنوبی امریکہ مقتل گاہ بنا رہا اور اس دوران ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد مار دیے یا غائب کر دیے گئے، جیل میں قید کیے جانے والوں کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔ ان ملکوں سے کوئی تیس لاکھ افراد جان بچانے کے لیے دوسرے ملکوں میں بھی چلے گئے لیکن ان کا وہاں بھی تعاقب کر کے قتل عام جاری رہا۔ یہ اس بر اعظم کی تاریخ کا سیاہ ترین دور تھا اور اس قتل و غارت گری کے پیچھے وہ لوگ تھے جو دنیا میں امن کے علم بردار کہلاتے تھے اور جو سی. آئی. اے. کے دہشت گردی کے اسکولوں سے تعلیم حاصل کر کے آئے تھے۔ انھوں نے دولت اور اقتدار کی خاطر اپنے ہم وطنوں کا بے دریغ قتل عام کیا اور اپنی ہی عورتوں کی عصمت دری کی۔ انھوں نے گاؤں کے گاؤں اجاڑ دیے، دولت کی خاطر انسانوں کو فروخت کیا اور ملیشیاؤں کے ذریعہ قتل و غارت گری کا وہ طوفان گرم کیا کہ ان خطوں میں جہاں ان کا قبضہ تھا امن و امان بے معنی ہو کر رہ گیا۔ کسی کے پاس کوئی قیمتی چیز یا کوئی جانور ہونا یا کسی خوب صورت ماں، بیٹی، بہن یا بیوی کا ہونا اس کی بد قسمتی کا باعث بن جاتا تھا۔ اس سے یہ چیز یا رشتہ ہی نہیں چھن جاتا تھا بلکہ اسے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔

جب سی. آئی. اے. اور امریکہ کے پروردہ ان دہشت گردوں کو ملنے والی رقم ناکافی محسوس ہونے لگی تو انھوں نے آمدنی کے دوسرے ذرائع کی تلاش میں سونے اور ہیرے کی کانوں پر قبضے کیے، لیکن یہ کانیں ان کے لیے ناکافی ثابت ہوئیں، اس لیے انھوں نے دنیا کا سب سے نفع بخش دھندہ شروع کر دیا، یعنی منشیات کی کاشت شروع کر دی۔ سی. آئی. اے. کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ امریکی خوش تھے کہ ان کا کام بھی وہ اپنے ہی وسائل سے آسان کر رہے تھے، مگر چند سال بعد منشیات کے اس سیلاب نے جب امریکہ کا رخ کیا تو انھیں اپنے ہی پروردہ دہشت گردوں سے شکایات پیدا ہو گئیں۔ امریکی اس موقع پر ایک اہم اصولِ معاش فراموش کر بیٹھے تھے، جیسے پانی ہمیشہ ڈھلان کی طرف بہتا ہے ویسے ہی کوئی بھی شے اسی طرف جاتی ہے جہاں اس کی طلب ہو، یہ ایک آفاقی اصول ہے، مگر امریکی اسے فراموش کر کے اپنے "لے پالکوں" پر زور دینے لگے کہ وہ منشیات کاشت نہ کریں اور اگر کریں تو ان کی پیدا کی ہوئی منشیات امریکہ نہ آئے۔ ان کا زیادہ زور منشیات کے امریکہ نہ آنے پر تھا ورنہ انھیں منشیات پیدا کرنے اور اسے فروخت کرنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا، جیسے افغانستان میں پیدا ہونے والی ہیروئن اس وقت مہلک ہوتی ہے جب وہ نیویارک یا لاس اینجلس تک رسائی حاصل کر لے ورنہ عالمی ادارہ برائے منشیات کو اس کی پروا بھی نہیں ہوتی ہے۔

امریکہ کے ان لے پالکوں نے اپنے بڑوں کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کی بقا کے لیے یہ لازمی تھا کہ ان کے پاس وافر مقدار میں رقم ہو اور اتنی بڑی رقم صرف منشیات سے ہی حاصل ہو سکتی تھی، اس لیے وہ کوکین ضرور کاشت کریں گے اور انھیں کوئی نہیں روک سکتا۔ اس طرح امریکہ کے تربیت یافتہ لوگ ہی امریکہ کے مقابل آ گئے، جو امریکہ کے لیے سوشلسٹ انقلابیوں سے بڑا مسئلہ بن گئے تھے۔ ان میں سے بعض تیز رفتار دہشت گرد تو ترقی کر کے ملکوں کے سربراہان تک بن گئے تھے اور یہ ممالک سرکاری سرپرستی میں منشیات کی کاشت اور تجارت کر رہے تھے۔ ظاہر ہے زیادہ نفع کے لیے منشیات کا بڑا حصہ امریکہ بھیجا جاتا تھا کیوں کی جو کوکین اپنی خالص حالت میں اپنی جائے پیدائش پر مشکل سے دس ہزار ڈالر فی کلو گرام ہوتی تھی وہ نیویارک اور لاس اینجلس میں دو لاکھ ڈالر فی کلو گرام کے حساب سے بکتی تھی۔

ساٹھ اور ستر کی دہائی تک بہت سے امریکی ہپّی بن کر چرس کا نشہ کرتے اور آبادیوں سے دور رہا کرتے تھے۔ ستر اور اسّی کی دہائی میں منشیات کا عفریت کوکین اور ہیروئن کی صورت میں امریکہ کے تعلیمی اداروں اور عام گھروں میں گھس آیا تھا، اچھے اچھے گھرانوں کے بچے برباد ہونے لگے تھے۔ امریکہ نے جو بربادی دوسرے ملکوں کے عوام کے لیے تیار کی تھی اس کے اثرات خود امریکہ پر پڑنے لگے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے امریکہ میں کوکین اور ہیروئن کا نشہ کرنے والوں کی تعداد چند ہزار سے بڑھ کر کوئی پندرہ لاکھ تک جا پہنچی۔ یہ وہ تعداد ہے جو مستقل نشے کی علت کا شکار تھی، اس کے علاوہ کالج سے فارغ ہونے والا ہر تیسرا طالب علم کسی نہ کسی وقت کوکین یا ہیروئن کا نشہ کر چکا ہوتا تھا۔

جب یہ الم ناک صورتِ حال میڈیا کے ذریعہ عوام تک پہنچی تو ایک زبردست ہلچل پیدا ہوئی اور امریکی حکومت میں شامل سینیٹرز دُہائیاں دینے لگے کہ منشیات کے اس عفریت سے امریکہ کی نئی نسل کو بچایا جائے۔ وہ بھول گئے کہ یہ انھیں کے ملک کی ایک خفیہ ایجنسی کا

بویا ہوا بیج ہے جو پودا بن کر پھل پھول رہا ہے۔

لیکن طاقت ور اقوام کسی بھی معاملے میں غلطی دوسروں کی تلاش کر لیتی ہیں۔ امریکی حکومت نے سارا الزام جنوبی امریکہ کے ممالک کے سر تھوپ دیا کہ وہ منشیات کاشت کرنے والوں کے خلاف کارروائی نہ کر کے امریکہ کی نئی نسل کو برباد کر رہے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حکمراں خود سی. آئی. اے. کے تربیت یافتہ تھے اور امریکہ کے تعاون سے اقتدار میں آئے تھے، لیکن انھوں نے اپنے استاذوں سے ایک ہنر اچھی طرح سیکھ لیا تھا کہ اصل چیز اپنا مفاد ہے اور باقی ہر چیز بے کار ہے۔ اس لیے جب امریکہ کی طرف سے دباؤ آیا تو انھوں نے امداد کا مطالبہ کر دیا کہ جب تک انھیں رقم نہیں ملے گی وہ منشیات اگانے اور اسمگل کرنے والوں کا مقابلہ کیسے کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ کی جانب سے اربوں ڈالرز کی امداد آنی شروع ہو گئی۔

ہوشیار حکمرانوں نے اس امداد کو بیرونی ملک کے بینکوں مین جمع کرایا اور اپنے ملکوں میں منشیات کے خلاف دکھاوے کے اقدامات شروع کر دیے۔ ان غریبوں کی فصلیں آگ لگا کر اور فاسفورس بموں کی مدد سے ختم کر دی گئیں جو تھوڑی سی زمین رکھتے تھے اور اسی سے ان کا گزارا تھا۔ انھیں منشیات کی وجہ سے اتنی رقم ضرور مل جاتی تھی جس سے وہ سارے سال پیٹ بھر کر کھا سکتے تھے، جب کہ کوئی اور فصل انھیں اتنی رقم نہیں دے سکتی تھی۔ ان غریبوں کو تباہ کر کے اور ان کے جلے ہوئے کھیتوں کی تصاویر دنیا بھر میں دکھا کر یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ ان ملکوں کے حکمراں منشیات کے انسداد کے لیے سنجیدہ ہیں۔

لیکن اندرونِ خانہ اس پورے خطے میں گھنے جنگلوں میں کوکین کے کھیت پھل پھول رہے تھے۔ ان کھیتوں کی حفاظت مسلح گوریلے کرتے تھے اور کسی شخص کو وہاں جانے کی اجازت ہرگز نہیں تھی۔ جو غیر ملکی صحافی ان علاقوں میں جانے کی کوشش کرتے تھے انھیں ہراساں کیا جاتا تھا اور بعض پر حملے بھی ہوتے تھے۔ کوکین کے ان کھیتوں کی حفاظت کے لیے جدید ترین ہتھیار تھے جن میں اینٹی ایئر کرافٹ میزائل تک شامل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ امریکی فوج نے یہاں براہِ راست حملے سے گریز کیا اور ڈالرز کے زور پر منشیات کی فصل ختم کرنے کی پالیسی اپنائی۔

کئی سال تک اربوں ڈالرز کی امداد دینے کے باوجود امریکہ میں منشیات کا سیلاب بڑھتا چلا گیا۔ جب کوکین اور ہیروئن ترکی، افغانستان اور ایشیا کے دوسرے ممالک سے آتی تھیں تو انھیں امریکہ تک آنے کے لیے ایک طویل سفر کرنا پڑتا تھا جس میں منشیات کی اکثر مقدار امریکہ میں داخلے سے پہلے پکڑی جاتی تھی۔ بہت کم منشیات امریکی منڈی تک رسائی حاصل کرتی تھی، لیکن جب یہ منشیات جنوبی اور وسطی امریکہ میں اگنے لگی تو آگ گویا امریکہ کے صحن تک چلی آئی اور میکسیکو کے راستے ٹنوں کے حساب سے کوکین اور ہیروئن امریکہ آنے لگی۔

اس پر دوبارہ امریکہ میں شور اٹھا اور اس بار جنوبی امریکہ میں امریکہ کے تربیت یافتہ ان دہشت گردوں سے سختی سے نمٹنے کا فیصلہ کیا گیا اور خاص طور سے ان حکمرانوں سے جو منشیات کی اسمگلنگ میں براہِ راست ملوث تھے۔ فضائی حملے کیے گئے، مختلف علاقوں میں امریکی فوجیں اتر کر براہِ راست منشیات کے کھیت اور اسمگلروں کے اڈے تباہ کرنے لگیں، مگر یہ "لے پالک" بہت مضبوط ہو چکے تھے اور انھوں نے ہزاروں کی تعداد میں ٹھکانے بنا لیے تھے، دولت کے بل بوتے پر ہزاروں مسلح گوریلے جمع کر لیے تھے۔ بے شک امریکی فوج کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے لیکن گوریلا جنگ کی صورت میں امریکی فوج بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

ان حملوں پر شور مچ گیا، پناما کے جنرل نوریگا کو امریکی فوج نے گرفتار کر کے امریکہ منتقل کر دیا، اس پر ساری دنیا میں ایک طوفان کھڑا ہو گیا تھا۔ یہ جنرل خود امریکہ کا تربیت یافتہ تھا اور اس نے پناما میں ظلم کی انتہا کر دی تھی، لیکن بعد میں امریکہ نے اسی کو قربانی کا بکرا بنا دیا۔ وہ سی. آئی. اے. کا تنخواہ دار ملازم بھی تھا (یہی مثال عراق، افغانستان اور ایران کی بھی ہے)۔ اس طرح بے شمار لے پالکوں کو نشانہ بنایا گیا اور کئی ملکوں میں منشیات کے ذخائر تباہ کر دیے گئے، لیکن ان سارے اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ منشیات کی کاشت اور ترسیل اسی طرح جاری رہی۔ ان میں سے بہت سے لے پالک باغی ہو گئے اور انھوں نے وسطی اور جنوبی امریکہ کے مختلف ممالک میں ایسے ٹھکانے بنا لیے جہاں امریکی فوج یا اس کے حامیوں کی رسائی مشکل تھی۔

ایک اندازے کے مطابق آج کل برازیل اور جنوبی امریکہ کے جنوبی ممالک کو چھوڑ کر اس خطے میں کوئی آٹھ ہزار مسلح گروہ سرگرم عمل ہیں اور ان سب کا ذریعۂ معاش منشیات ہے جس کی سب

سے بڑی منڈی امریکا ہے۔

اعداد و شمار کے مطابق پورے براعظم شمالی امریکہ کی آبادی تقریباً پینتالیس کروڑ افراد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک کروڑ افراد باقاعدگی سے منشیات استعمال کرتے ہیں اور ان کا ستر فیصد یونائیٹڈ اسٹیٹس آف امریکہ میں پایا جاتا ہے، اتنے ہی جزوی منشیات کے عادی ہیں۔ یہ لوگ چرس، ہیروئن، کوکین، مارفین، میری جوانا جیسے مہلک نشے کرتے ہیں۔ گویا ہر پینتالیس میں سے ایک فرد نشے باز ہے اور اتنے ہی کبھی کبھی نشہ کرتے ہیں۔ یہ دو کروڑ افراد سال میں تقریباً بیس سے پچیس ارب ڈالرز نشے پر خرچ کرتے ہیں۔ امریکہ میں اس کاروبار سے وابستہ افراد کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ نشہ کرنے والوں میں سے بھی بہت سارے یہی کام کرتے ہیں۔ پولیس نشہ فروخت کرنے والوں کو ہر سال پچاس سے ساٹھ ہزار کی تعداد میں گرفتار کرتی ہے، لیکن ان میں سے صرف دس فیصد کو سزا ہوتی ہے اور باقی چھوٹ جاتے ہیں۔ ان مقدمات اور اریسٹ پر سرکار سالانہ دس ارب ڈالرز کی خطیر رقم خرچ کرتی ہے۔ یہ رقم اینٹی نارکوٹکس کے محکمے کے بجٹ کے علاوہ ہے، جب کہ نئی نسل کو منشیات سے بچانے کے لیے بھی خاصی رقم خرچ ہوتی ہے۔

جنوبی امریکہ سے جانے والی منشیات کی کل مقدار چار سو ٹن سالانہ ہوتی ہے جس کی قیمت تقریباً دس ارب ڈالرز بنتی ہے۔ یہ دس ارب ڈالرز تقریباً دس ہزار گروپس میں بٹ جاتے ہیں اور یہ گروپ سالانہ آٹھ ارب ڈالرز کا اسلحہ خریدتے ہیں، اس اسلحے کا نوّے فی صد امریکی کارخانوں سے بن کر آتا ہے۔ یعنی آٹھ ارب ڈالرز تو امریکہ یوں ہی واپس لے لیتا ہے اور جنوبی امریکہ کے لوگوں کے حصے میں صرف دو ارب ڈالرز آتے ہیں، جب کہ آپس کی لڑائیوں میں ہر سال بیس سے پچیس ہزار افراد مارے جاتے ہیں، اتنی ہی عورتیں بیوہ ہوتی ہیں اور اس سے دوگنے بچے یتیم ہوتے ہیں۔ مالی نقصان کا تخمینہ تقریباً پانچ سے چھ ارب ڈالرز کا ہے۔ امریکہ کے کہنے پر اس خطے کے ممالک منشیات پیدا کرنے اور اسمگل کرنے والوں کے خلاف سالانہ چار ارب ڈالرز خرچ کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ رقم انھیں گرانٹ اور قرضوں کی صورت میں مل جاتی ہے لیکن مسئلہ وہی ہے کہ رقم لوٹ کر پھر امریکہ ہی کے پاس واپس چلی جاتی ہے۔ دیکھا جائے تو اس جنگ میں جنوبی امریکہ کو صرف خسارہ مل رہا ہے اور سارا فائدہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو پہنچ رہا ہے۔

بزمِ دانش | **فکر و نظر** | **مستقل کالم**

کیا بیت المقدس کو پھر کسی سلطان ایوبی کا انتظار ہے؟

"**بزمِ دانش**" میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو آواز دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

اکتوبر ۲۰۱۰ء کا عنوان	ملحق مدارس میں رشوت کی گرم بازاری — علاج کیا ہے؟
نومبر ۲۰۱۰ء کا عنوان	اسلامی صحافت کے لازمی تقاضے

مسلم حکمرانوں کا آپسی اتحاد ہی صلاح الدین ایوبی کا بدل پیش کرسکتا ہے

از: محمد شکیل احمد مصباحی، بی.ایڈ. اسٹوڈینٹ کوآپریٹیو کالج، جمشید پور، جھارکھنڈ

مسجدِ حرام اور مسجد نبوی کے بعد مسجد اقصیٰ کو ملتِ اسلامیہ کے درمیان جو اعلیٰ مقام اور تقدس کا درجہ حاصل ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ مسلمانوں کا قبلۂ اول اور ان تین مسجدوں میں سے ایک ہے جن کے لیے سفر کرنا اور وہاں کے انوار و برکات سے مستفید ہونا اخروی سعادت کا باعث ہے۔ یہی وہ بابرکت مقام ہے جہاں شبِ معراج ہمارے نبی ﷺ نے تمام انبیا و مرسلین کی امامت فرمائی اور وہاں سے سیر آسمانی کے لیے روانہ ہوئے۔ انبیا علیہم السلام کی ایک بڑی تعداد کی تاریخ اس پاک سرزمین سے وابستہ ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے "بیت المقدس" عالم اسلام کا ایک دھڑکتا ہوا دل ہے، جس کے چپے چپے سے ملت اسلامیہ کی عقیدت اور دلی جذبات وابستہ ہیں۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مسلمانوں نے اس پاک سرزمین کے لیے بے مثال قربانیاں دی ہیں۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں "بیت المقدس" بڑی آسانی سے مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا اور اس کے حصول میں کسی طرح کے ظلم و تشدد کا سہارا نہیں لیا گیا۔ لیکن اسے کم نصیبی کہیے یا مسلم حکمرانوں کی ناعاقبت اندیشی کہ حضرت عمر کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں سے قبلۂ اول عیسائیوں نے چھین لیا اور اس کے حصول میں عیسائیوں نے ظلم و تشدد کا وہ بازار گرم کیا کہ اللہ کی پناہ! تقریباً ۹۰ر سال تک مسلمان اس سے بے دخل رہے اور بالآخر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی اولوالعزمی، بہادری اور قائدانہ حکمت عملی سے بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرلیا۔ اس کے بعد مدتوں یہ بابرکت سرزمین مسلمانوں کی تولیت اور قبضے میں رہی۔ عثمانی قیادت نے "بیت المقدس" کی نگرانی اور انتظام و انصرام کے ساتھ عیسائیوں اور یہودیوں کو اس کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیا اور ہر اس طاقت کو کچل کر رکھ دیا جس نے "بیت المقدس" کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی۔

سلطنتِ عثمانیہ کا پایۂ تخت ترکی کو پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۴ء- ۱۹۱۸ء) میں شرکت اور جرمنی کی مدد نے غیر معمولی نقصان پہنچایا اور یورپ کا یہ مردِ بیمار جو پہلے ہی سے عربوں کی دشمنی اور سیاسی و اقتصادی بحران کا شکار تھا بالآخر ۱۹۲۴ء میں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سو گیا اور اس طرح "بیت المقدس" اپنے ایک بہترین اور مضبوط محافظ سے محروم ہو گیا۔

ترکی کے زیر اقتدار عرب علاقے مختلف حصوں میں بٹ گئے اور عالمی نقشے پر مسلم ممالک کے نام سے متعدد ریاستیں وجود میں آ گئیں۔ سلطنتِ عثمانیہ کے کمزور پڑ جانے کے بعد برطانوی افواج "شہر قدس" میں داخل ہو گئیں اور ستمبر ۱۹۱۸ء میں فلسطین پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد ہی سے برطانیہ نے فلسطین کی سرزمین پر یہودیوں کو بسانا شروع کر دیا اور دنیا بھر کے یہودیوں کو فلسطین آنے کی دعوت دی گئی چناں چہ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء کے درمیان بانوے ہزار یہودی ہجرت کر کے فلسطین پہنچے۔ اس کے بعد ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۸ء تک ۶۱ر ہزار یہودی مختلف مقامات سے ہجرت کر کے فلسطین پہنچے اور ۷۰ر ہزار ایکڑ زمین حاصل کر کے ۳۷ر ہزار یہودی کالونیاں بنائی گئیں۔ اور چشم فلک نے ظلم و ناانصافی کے وہ ایام بھی دیکھے جب ۱۹۴۸ء میں امریکہ و برطانیہ کی مدد سے عالم اسلام کے قلب کو چاک کر کے یہودی ریاست "اسرائیل" کا پیوند جوڑ دیا گیا۔ اس ظلم و ناانصافی پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے! ریاست اسرائیل کے قیام میں اقوام متحدہ نے افسوس ناک کردار ادا کیا۔ شاید اسی لیے ڈاکٹر اقبال نے اقوام متحدہ کو کفن چوروں کی ٹولی سے تشبیہ دی ہے۔

اسرائیلی ریاست کے وجود میں آنے سے لے کر اب تک لاکھوں فلسطینی بے گھر اور پچاس ہزار سے زائد فلسطینیوں کی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ اور آج حال یہ ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں ایک دو فلسطینی شہید یا کم از کم اسرائیلی جارحیت کے شکار نہ ہوتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے اہل فلسطین کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت فرمائے۔

۱۹۶۷ء سے اسرائیل کا باضابطہ بیت المقدس پر قبضہ ہے۔ اس قبضہ کو لے کر کئی بار عرب اسرائیل جنگیں بھی ہوئیں مگر امریکہ و برطانیہ کے سہارے اسرائیل جنگ میں کامیاب رہا۔ یہودی لابی اسرائیل کے موجودہ ڈھانچے اور موجودہ رقبے پر قانع نہیں ہیں بلکہ وہ جس اسرائیل کے قیام کے خواب کو شرمندۂ تعبیر بنانا چاہتے ہیں اس میں سعودی عرب، مصر، شام، عراق، لبنان اور اردن کا علاقہ بھی شامل ہے۔ خیر یہ تو دور کی بات ہے، فی الحال یہودیوں کی خفیہ پلاننگ اور درپردہ سازش یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے مسجد اقصیٰ کو منہدم کر کے اس کی جگہ "ہیکل سلیمانی" تعمیر کی جائے۔ کیوں کہ یہودی دعوے کے مطابق مسجد اقصیٰ کی تعمیر "ہیکل سلیمانی" کو منہدم کر کے ہوئی ہے۔ آئے دن مسجد اقصیٰ کے اردگرد اور اس اندرونی حصے میں کھدائی کا کام جاری ہے اور اب تک ۷۰ر سے زائد سرنگیں کھودی جا چکی ہیں اور خفیہ طریقے سے "ہیکل سلیمانی" یعنی قدیم یہودی عبادت گاہ کا کام بھی منظم طور پر چل رہا ہے۔ ادھر دوسری طرف بے چارے فلسطینی عوام کا یہ افسوس ناک حال ہے کہ وہ روٹی، کپڑا اور مکان تک کے محتاج ہیں۔ پھر بھی ان کی دینی حمیت اور ایمانی غیرت قابلِ داد ہے کہ وہ اسرائیلی جارحیت کا حتی الوسع دفاع کر رہے ہیں۔ اسرائیلیوں کی طرح فلسطینیوں کو بھی زندگی کے ضروری وسائل قابلِ اطمینان حد تک مہیا ہو جائیں اور آلاتِ جنگ بھی کماحقہ میسر ہوں تو وہ دن دور نہیں کہ اہل فلسطین، یہودیوں کو ان کے مدفن تلاش کرنے پر مجبور کر دیں گے۔

یہ ہے فلسطین اور بیت المقدس کی موجودہ افسوس ناک صورت حال! عرب ممالک کے عشرت پسند حکمراں اور دیگر مسلم ریاستوں کے سربراہان اس نازک صورت حال سے اچھی طرح واقف ہیں، مگر ان کا ضمیر اتنا کالا اور مردہ ہو چکا ہے کہ وہ اسرائیل کی موجودہ ارہابی کارروائیوں کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکالنے کے لیے تیار نہیں، کیوں کہ یہ مسلم حکمراں ذاتی و ملکی مفادات کی خاطر اپنے ضمیر اور ایمان تک کو امریکہ و برطانیہ کے ہاتھوں گروی رکھ چکے ہیں اور اسرائیل کے خلاف ایک لفظ بھی بولنا گویا امریکہ و برطانیہ کی دشمنی مول لینا ہے۔ اس لیے ہمارے مسلم حکمراں اپنی عافیت اسی میں سمجھتے ہیں کہ اسرائیل کو اسی طرح بے لگام رہنے دیا جائے۔

آج عالمی نقشے پر تقریباً ۵۶ر مسلم ممالک ہیں۔ اگر ان کے حکمراں بیک زباں ہو کر صدائے احتجاج بلند کریں اور اسرائیل کو دھمکیاں دیں تو اسرائیل کو مجبوراً اپنی ناجائز پالیسیاں تبدیل کرنی پڑیں گی۔ مگر حال یہ ہے کہ ایک مسلم ملک کا دوسرے مسلم ملک سے سخت اختلاف ہے۔ مصر اپنی سرحد میں فلسطینیوں کو داخل ہونے نہیں دیتا، عراق کویت کو دیکھنا نہیں چاہتا، سعودی عرب اور ملک شام باہم دست و گریباں ہیں۔ ایسے نامساعد حالات میں بیت المقدس کی بازیافت تو دور کی بات ہے اس کا وجود اور بقا بھی ایک اہم سوال ہے کہ مسلم حکمرانوں کی آپسی رسہ کشی اور باہمی اختلاف کے ہوتے ہوئے آیا اس کی بقا ممکن ہے بھی یا نہیں؟

مسلم حکمرانوں کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے! وہ سوچیں اور غور کریں کہ آج یہودی و عیسائی طاقتیں اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود ملت اسلامیہ کے خلاف متحد ہیں، بیت المقدس کا تقدس اور عظمت ہمیں آواز دے رہی ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ باطل پرستوں کے چنگل سے ہمیں چھڑانے کے لیے اب کوئی دوسرا صلاح الدین ایوبی آنے والا نہیں ہے، تمہارا اتحاد ہی صلاح الدین ایوبی کا بدل پیش کرسکتا ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی ہمارا دینی واخلاقی فریضہ ہے

از: مہتاب پیامی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور Payamee@gmail.com

مسلمانوں کا قبلۂ اول مسجد اقصیٰ ہے جسے ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے اور اسے بیت اللہ کے چالیس سال بعد سب سے پہلے حضرت یعقوب بن اسحٰق علیہ السلام نے سرزمین فلسطین میں تعمیر کیا تھا۔ اس کی حیثیت اس اعتبار سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس کے دامن میں سینکڑوں انبیاے کرام آرام کی نیند سو رہے ہیں یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیا کی امامت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانی سفر یہیں سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ سرزمین اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اسے خیر وبرکت والی سرزمین بتایا۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ۝ (الانبیاء، آیت: ۷۱)

”ور ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس زمین کی طرف لے چلے جس میں ہم نے تمام جہاں والوں کے لیے برکت رکھی ہے۔“

اسی طرح اس مقدس سرزمین کے تقدس وپاکیزگی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ. (المائدۃ، آیت: ۲۱)

”اے میری قوم کے لوگو! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے۔“

ہمارا قبلۂ اول جو ہر دور میں یہودیوں کی سازشوں کا شکار ہوتا رہا ہے اسے فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۵ھ ہجری میں فتح کیا اور ایک لمبی مدت تک مسلمانوں کے زیر اثر رہا۔ مسلمان کھلی آزادی کے ساتھ اس میں سجدہ ریز ہوا کرتے تھے، ہمارے اس دینی اثاثہ پر ناپاک تسلط کے لیے پادریوں کی ناپاک کوششیں ہمیشہ جاری رہیں اور اس میں انہیں کامیابی بھی ملی۔ چناں چہ ایک دور ایسا بھی آیا کہ انہوں نے پوری قوت کے ساتھ ملک شام کے ایک بڑے حصے پر قبضہ جمالیا اور ایسا قتل عام مچایا کہ خود انہی کے بقول ”ان کے گھوڑے مسلمانوں کے خون میں ٹخنوں تک ڈوبے ہوئے تھے اور صرف ایک ہفتہ کی مختصر مدت میں ستر ہزار مسلمان تہ تیغ کر دیے گئے۔“

عیسائیوں کا یہ ناپاک تسلط تقریباً بانوے سالوں تک برقرار رہا۔ اسی دوران ایک نوجوان سپہ سالار جنھیں تاریخ اسلامی سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام سے جانتی ہے، نے مسلمانوں کی منتشر قوتوں کو اکٹھا کیا اور ۵۸۳ھ میں نصرت الٰہی کی بدولت اپنی قیادت میں قبلۂ اول کو ان عیسائی درندوں کے پنجۂ استبداد سے آزاد کرایا اور اس پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔ مگر افسوس کہ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل حکومت قائم کر لی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بار پھر یہودی ۱۹۶۷ء میں پوری طرح مسجد اقصیٰ پر قابض ہو گئے اور آج حالت زار یہ ہے کہ یہ صیہونی درندے مسلسل اپنی درندگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، مسلمانوں کو ان کے وطن سے نکالا جا رہا ہے، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو بے رحمی کے ساتھ قتل کیا جا رہا ہے۔ غرض کہ ان کی وحشت وبربریت سے فلسطین کا ذرہ ذرہ کانپ رہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ عالمی صیہونی منصوبہ بندی کے تحت یہودیوں کی یہ پلاننگ ہو چکی ہے کہ مسجد اقصیٰ کے وجود کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔

چناں چہ ۱۸۹۷ء میں صیہونی تحریک کی تاسیس کے بعد صیہونیت نوازوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ پر مکمل قبضہ کر کے اسے یہودیوں کی ملکیت بنا دیا جائے، جیسا کہ یہودی رہنما اور صیہونیت کے علم بردار ”ہرٹزل“ کا قول ہے کہ ”اگر بیت المقدس پر بالادستی قائم ہو جائے تو شہر میں ان تمام نشانات کو مٹا دوں گا جو یہودیوں کے نزدیک غیر متبرک ہیں۔“

صیہونیت کے ایک اور سرگرم کارکن ”غوریوں“ کا کہنا ہے کہ ”بیت المقدس کے بغیر اسرائیل کا کوئی تصور نہیں اور بغیر ہیکل کے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔“

جب کہ ایریل شیرون کا بیان ہے کہ ”بیت المقدس اب ہمیشہ کے لیے اسرائیل کی ملکیت ہے جس کے لیے میں پوری دنیا کا چیلنج قبول کرنے کو تیار ہوں۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ یہودیوں کی اہم جگہ ہے، نہ ہمارا مکہ ہے نہ مدینہ نہ ویٹیکن۔ ہمارا تو صرف ہیکل سلیمانی ہے۔“

صیہونیت نوازوں کے ان اقوال کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کا انہدام بلاشبہ ان کی تخریبی سازشوں کا حصہ ہے اور وہ

اس مذموم منصوبے پر عمل پیرا بھی ہیں۔ ان کی انہی ناپاک کوششوں کا حصہ ہے کہ انہوں نے ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کی تلاش کی آڑ میں مسجد اقصیٰ کی بنیادوں میں سرنگیں کھود دی ہیں تاکہ کبھی بھی کسی وقت سماوی وارضی حادثہ کے ذریعہ منہدم ہو جائے اور مسلمانوں کو اس میں نماز کی ادائیگی سے روک دینا اور مشرقی بیت المقدس میں یہودیوں کو بسانا اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کرنا، ان سب امور سے ظاہر ہے مسلمانوں کی غیرت کو للکارنا اور ان کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کرنا ہے۔ جب کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ فلسطین پر ہمیشہ مسلمانوں کا قبضہ رہا ہے اور یہ مسلمانوں کی سرزمین رہی ہے لیکن پھر بھی اسرائیل جسے اپنی قوت پر ناز ہے وہ یہ نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کو ان کی امانت واپس کی جائے اور مسجد اقصیٰ میں انہیں مکمل مذہبی آزادی فراہم کی جائے۔

آج جس مسجد اقصیٰ کے لیے خیر وشر اور حق وباطل کی قوتیں باہم ستیزہ کار ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس مقدس مقام کی تاریخ ایسی ہنگامہ آرائی اور معرکہ خیزیوں سے بھری پڑی ہے۔ اس مقدس سرزمین کا تعارف بیان کرتے ہوئے فاتح اعظم سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سپاہیوں کے درمیان تاریخی اہمیت کا حامل خطبہ پیش کیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا: ”اے میرے رفیقو! یاد کرو جب عمرو بن العاص اور ان کے ساتھیوں نے بیت المقدس کو کفار سے آزاد کرایا تھا۔ حضرت عمر اس وقت خلیفہ تھے، وہ بیت المقدس گئے۔ حضرت بلال ان کے ساتھ تھے۔ حضرت بلال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایسے خاموش ہوئے تھے کہ لوگ ان کی پر سوز آواز کو ترس گئے تھے، انہوں نے اذان دینی چھوڑ دی تھی۔ لیکن مسجد اقصیٰ میں آکر حضرت عمر نے انہیں کہا کہ بلال! مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کے در و دیوار نے بڑی لمبی مدت سے اذان نہیں سنی۔ آزادی کی پہلی اذان تم نہ دو گے؟“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد پہلی بار حضرت بلال نے اذان دی، اور جب انہوں نے کہا: اشھد ان محمد رسول اللہ تو مسجد اقصیٰ میں سب کی دھاڑیں نکل گئی تھیں۔

ہمارے دور میں ایک بار پھر مسجد اقصیٰ اذان کو ترس رہی ہے۔ برسوں سے اس عظیم مسجد کے در و دیوار کسی موذن کی راہ دیکھ رہے ہیں یاد رکھو! مسجد اقصیٰ کی اذانیں ساری دنیا میں سنائی دیتی ہیں۔ صلیبی ان اذانوں کو گلا گھونٹ رہے ہیں۔ آج بیت المقدس پر یہودی قابض ہیں، مسجد اقصیٰ کے دروازے مسلمانوں کے لیے بند ہیں۔ محراب ومنبر کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ مسجد عمر فاروق کے بلند وبالا مینار ان کی آواز کو ترس رہے ہیں۔ مقامات مقدسہ کا احترام ختم ہو چکا ہے۔ بیت المقدس کے صحن میں ظالم یہودی خون خرابہ کر رہے ہیں۔ قبلۂ اول میں داخل ہونے والے مسلمانوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جا رہا ہے۔ اور آج فلسطین اور بیت المقدس کے در و دیوار ایک نئے صلاح الدین ایوبی کا انتظار کر رہے ہیں۔

بیت المقدس کو یہودیوں کے ناپاک تسلط سے رہا کرنے کے لیے حضرت خالد بن ولید نے سب سے پہلی جنگ کی تھی، یہ جنگ آج بھی جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گی جب تک دنیا سے ظلم وستم اور بے انصافی کا خاتمہ نہ ہو جائے گا۔ الحاد اور بے دینی ختم نہ ہو جائے اور طاغوتی طاقتیں اپنی شکست نہ تسلیم نہ کر لیں۔ آج اہل فلسطین کی بقا، مسجد اقصیٰ کا تحفظ اور اس کی بازیابی ہمارا دینی، اخلاقی، روحانی اور ملی فریضہ ہے ہم اگر چاہیں تو فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کر سکتے ہیں مگر اس کے لیے چند رہنما اصول ہیں جنھیں اپنانا ہوگا۔ مثلاً سب سے پہلے ہمیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنی ہو گی، اپنی حالتوں کو بدلنا ہو گا، اپنے اندر جذبۂ جہاد پیدا کرنا ہوگا، اتحاد کی عظیم مثال قائم کرنی ہو گی، اپنے جزوی اختلافات کو مٹانا ہو گا، یورپی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کرنا ہو گا اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب عالم اسلام کے افراد عیش عشرت کی چادر کو اتار پھینکیں۔ قول وعمل میں مطابقت پیدا کریں، انتھک جد وجہد اور اخلاص کو اپنائیں اور اس کے لیے مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ آگے بڑھیں اور اپنے اندر ایک انقلاب برپا کریں۔

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے　　اسلام تیرا دین ہے تو مصطفوی ہے

☆☆☆☆☆

گوشۂ ادب

علامہ عبدالعلیم میرٹھی کا عشقِ رسول

نعتیہ شاعری کے آئینے میں

ساجد رضا مصباحی

مبلغِ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۲ء-۱۹۵۴ء) کی ذات علم وفضل کا آفتاب، رشد وہدایت کا سرچشمہ اور عشق وعرفان کا بحرِ بیکراں تھی۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک لمحہ علوم وفنون کی ترویج اور اسلام وسنیت کی تبلیغ واشاعت میں گزرا۔ دینِ متین کی دعوت وتبلیغ کے حوالے سے آپ کے ہمہ گیر کارنامے آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں آپ عبقری فقیہ ومحدث، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) کے چہیتے مرید وخلیفہ تھے۔ اما احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو آپ سے والہانہ لگاؤ تھا۔ وہ آپ کے علم وفضل اور عمل وتقویٰ کے معترف تھے۔ چناں چہ اپنے خلفا کا تذکرہ کرتے ہوئے مبلغِ اسلام کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

عبدعلیم کے علم کو سن کر
جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں

حضور مبلغ اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان کے دل میں بھی اپنے پیر ومرشد کا حد درجہ ادب واحترام تھا۔ ان ہی کی ایما پر آپ نے اپنی پوری زندگی خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کے لیے وقف کردی۔ مرشد طریقت سے ان کے قلبی لگاؤ کا اندازہ اس قصیدے سے لگایا جا سکتا ہے جسے آپ نے زیارتِ حرمین شریفین سے واپسی پر پیر ومرشد کی بارگاہ میں پیش فرمایا۔ بطور نمونہ چند اشعار پیش ہیں۔

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں، اس سے سوا تم ہو
قسیمِ جامِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو
علیمِ خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

حقیقت یہ ہے کہ مبلغ اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان علم وعمل، زہد وتقویٰ، اخلاص وللٰہیت، شریعت وطریقت، عبادت وریاضت، حبِ نبی اور عشقِ رسول میں اپنے پیر ومرشد کے سچے وارث تھے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشقِ رسول کے سائے میں گزرتا اور ہر عمل سنت نبوی کے عین مطابق ہوتا۔ آپ کا دل نورِ الٰہی اور عشقِ رسول سے معمور تھا۔ آپ کے عشق کی داستان بڑی طویل ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم نعتیہ شاعری کے حوالے سے مبلغِ اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان کے والہانہ جذبات اور اپنے آقا ومولا کے ساتھ ان کے عشق جنوں خیز کے چند نمونے پیش کریں گے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نعتیہ شاعری کی اولین شرط حبِ مصطفیٰ اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، دل میں محبتِ رسول اور عشقِ نبوی کا سمندر موج زن ہو، جذبات کا طوفان اٹھا ہو، ضبط کا یارا نہ رہے، تب ہر نفس سوزاں، دل کی ہر دھڑکن، خیال کی ہر لہر، زبان کی ہر جنبش، لبوں کی ہر حرکت نعت سرا ہو جاتی ہے۔ نعت میں جذباتِ عشق کا اظہار وہی کرسکتا ہے جو اپنی سچی قلبی واردات اور پر عقیدت وپرخلوص جذبات کا اظہار بطور آورد خود تو نہ کرے لیکن بحرِ محبت میں اچھال آئے تو موجوں کے تموج کی ہر صدا نغمہ بن جائے۔ حب جانِ جاناں، محبوبِ ذیشان اور حبیبِ رحمٰن کی یاد ستائے، دل تڑپائے، چین نہ آئے اور اس عالم میں دل سے جذبات مچل کر لب پر آئیں، الفاظ کا روپ دھاریں، قافیوں کا لبادہ اوڑھیں، مصرعوں کی شکل اختیار کریں وہی نعتیہ شاعری ہے۔

مبلغِ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم میرٹھی عشق وعرفان کے بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ نے باضابطہ شاعری تو نہیں کی لیکن محبوب کے وصف وثنا میں جو کچھ لکھا اس کے ہر ہر لفظ میں عشقِ رسول کا اضطراب سمودیا اور اسے اپنے سوزِ دروں کا ترجمان بنادیا۔ جذبات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھال کر دل کی کیفیات کو زبان بخش دی۔ ان کے نعتیہ کلام کے جو نمونے میرے مطالعے میں آئے ان سے فکر وتخیل کی وسعت اور عشق وعرفان کی بلندی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

محبوب کی شانِ زیبائی ویکتائی کا تذکرہ، جمالِ جہاں آرا کا تصور، حسرتِ دید میں نگاہوں کا اضطراب، درِ رسول پر حاضری کی تمنا

استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف، ضلع اوریا

اور اشارۂ ابرو پر مر مٹنے کا جذبہ نعتیہ شاعری کے پاکیزہ موضوعات ہیں۔ محبوبِ رب العالمین کی مدح وثنا ہر مومن کی پہلی خواہش اور محبوب کا ذکر جمیل محبِ صادق کی تمناؤں کی معراج ہے۔ حضرت مبلغِ اسلام بھی اپنے آقا ومولا کے سچے عاشق تھے۔ ذکرِ رسول کو عین عبادت سمجھتے تھے۔ بارگاہِ الٰہی میں نہایت نیاز مندی سے دست بدعا ہوتے ہیں۔

الٰہی وہ زباں دے جو ثناخوانِ محمد ہو
ثنا ایسی جو ہر آئینہ شایانِ محمد ہو (ﷺ)

یقیناً عاشقِ صادق وہی ہے جو محبوب کے ادنیٰ اشارۂ ابرو پر تن من دھن قربان کردینا ہی اپنے لیے فیروز بختی اور سعادت مندی تصور کرے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرّہ فرماتے ہیں۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروروں جہاں نہیں

مبلغِ اسلام بھی اپنے محبوب سے کمالِ محبت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے آقا ومولا کی بارگاہ میں دل وجان کا قیمتی تحفہ لے کر حاضر ہیں۔ عاشقِ صادق کے مچلتے جذبات کا ایک حسین نمونہ ملاحظہ ہو۔

وہ جانِ پاک دے یا رب جو قربانِ محمد ہو
وہ دل دے جو شکارِ تیرِ مژگانِ محمد ہو (ﷺ)

سوز وغم، کلفت واضطراب کا مداوا اور عشقِ جنوں خیز کی معراج یہی ہے کہ محبوب کی نگہ التفات عاشقِ دل کشتہ کی طرف ہوجائے اور محبوب اپنی جلوہ سامانیوں سے اس کے دل کی ویران دنیا کو آباد کردے، اپنی ضوفشانیوں سے دل کے تاریک گوشوں کو بقعۂ نور بنا دے، اسی تناظر میں مبلغِ اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان کی آرزوؤں کا یہ نرالا رنگ وآہنگ بھی ملاحظہ ہو۔

بدل جائے شب بخت صبح آرا سے
اگر جلوہ نما روئے درخشانِ محمد ہو (ﷺ)

ایک عاشقِ صادق جب اپنے محبوب کے عشق میں مقامِ فنائیت پر فائز ہوجاتا ہے تو اسے دنیا کی آرائش وزیبائش، حسن وجمال، باغ وبہار، مال ومنال سب کچھ بے معنی نظر آنے لگتے ہیں۔ اس کے تصورات کا محور صرف اور صرف محبوب کی ذات ہوا کرتی ہے۔ وہ قربتِ یار اور وصالِ محبوب ہی کو اپنے لیے دنیا کی سب سے بڑی دولت تصور کرتا ہے۔ وہ ہجرِ یار کے درد وغم سے نڈھال ہوکر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے اور مچلنے لگتا ہے، دل مضطرب ہو اٹھتا ہے، آنکھیں محبوب کے جلوۂ جہاں آرا کی دید کے لیے پر اشتیاق ہو جاتی ہیں۔ روح محبوب کی قربت کے تصور ہی سے گل بداماں ہونے لگتی ہے۔ حضور مبلغِ اسلام بھی اپنے آقا ومولا کے عشق میں دنیاوی جاہ وجلال اور مال ومنال سے بے نیاز ہوگئے تھے۔ غمِ ہجر نے انھیں بے تاب کر رکھا تھا۔ درِ اقدس پر جبیں سائی کے لیے دل بے چین اور نگاہیں پرنم تھیں۔ قصرِ محبوب کا شوقِ دیدار حد سے سوا ہوا جا رہا تھا۔ نہایت سوز وگداز کے ساتھ بارگاہِ رب ذو الجلال میں فریادرس ہوئے۔

علیمِ خستہ جاں تنگ آگیا ہے دردِ ہجراں سے
الٰہی کب وہ دن آئے کہ مہمانِ محمد ہو (ﷺ)

نعتیہ شاعری کے پاکیزہ موضوعات میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ عہدِ نبوی سے اب تک ہر دور اور ہر زمانے میں نعت گو شعرا نے ولادتِ مبارکہ کے وقت ظہور پذیر ہونے والے عجائبات، ایامِ حمل میں پیش آنے والے خارق عادت واقعات اور آپ کی تشریف آوری کے صدقے نازل ہونے والے فیوض وبرکات کا تذکرہ مختلف رنگ وآہنگ میں کیا ہے۔ امام العشاق حضرت علامہ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ (۶۰۸ھ-۶۹۵ھ) فرماتے ہیں۔

اَبَانَ مَوْلِدُہٗ عَنْ طِیْبِ عُنْصُرِہٖ
یَا طِیْبَ مُبْتَدَءٍ مِنْہُ وَ مُخْتَتَمِ

حضور کی ولادت طیبہ نے آپ کے خاندانی شرف اور نسبی طہارت کو عیاں کردیا۔ اللہ رے آپ کی ابتدا وانتہا کی پاکیزگی!

عاشقِ رسول امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے بھی اس موضوع پر بڑے ایمان افروز اشعار لکھے اور پاکیزہ استعارات ونادر تشبیہات کے ذریعہ ایسی مضمون آفرینی کی کہ دل عش عش کر اٹھتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارا نور کا

ممدوحِ گرامی علامہ مبلغِ اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کو اپنی شاعری کا

موضوع بنایا ہے۔ اور سرکار کے ورودِ مسعود سے قبل کائنات میں پھیلی ظلمت و جہالت اور آپ کی جلوہ سامانیوں سے بھٹکتی انسانیت کی ہدایت وسعادت کا تذکرہ نہایت شگفتہ لب ولہجے میں کیا ہے۔ نعتِ پاک کا ایک ایک مصرعہ عقیدت ومحبت کی چاشنی سے لبریز ہے۔

عالم پر ظلمت چھائی ہے، اے نورِ ہدایت جلوہ دکھا
دنیا پر آفت آئی ہے، اے آیۂ رحمت جلوہ دکھا
اے حسنِ ازل کے ظہورِ اتم! اے مظہرِ خاصِ نورِ قدم!
اے جانِ صباحت! جلوہ دکھا، اے کانِ ملاحت! جلوہ دکھا
اے دعوتِ ابراہیم! ذرا، چہرے سے نقاب کو اپنے اٹھا
موسیٰ کی اشارت! جلوہ دکھا، عیسیٰ کی بشارت! جلوہ دکھا
قدسی دربار میں حاضر ہیں، حوریں سرکار میں حاضر ہیں
سب بہر زیارت میں حاضر ہیں، ہے وقتِ ولادت، جلوہ دکھا
مشتاقِ جمال، علیمِ حزیں، بکمالِ خشوع جھکا کے جبیں
کرتا ہے عرض کہ اے شہِ دیں! اے صاحبِ قدرت! جلوہ دکھا

کعبۃ اللہ کا دیدار، روضۂ رسول کی زیارت، محبوب کی بستی میں زندگی کے کچھ ایام گزارنے کی آرزو ہر مومن کے نہاں خانۂ دل میں ہوتی ہے۔ یقیناً نیک بخت ہیں وہ لوگ جنھیں شہر مکہ کی نورانی گلیوں اور مدینہ طیبہ کی دل نواز فضاؤں میں چند سانسیں لینے کا موقع نصیب ہو جائے۔ دل میں سچی تڑپ ہو تو دعائیں ضرور رنگ لاتی ہیں۔ حضور مبلغ اسلام کی دعائے سحر گاہی بابِ اجابت سے ٹکرائی، قسمت نے یاوری کی، نصیبہ جاگ اٹھا، امید کی کلیاں مشک بار ہوئیں۔ ۱۹۳۵ء میں سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ محبوب کی گزرگاہوں کا تصور، سبز گنبد کا نورانی منظر، کعبۃ اللہ کے فیوض وبرکات سے بہرہ مند ہونے کا خیال، عجب کیف وسرور کا ماحول ہے۔ عاشقِ صادق کے ایمانی جذبات انگڑائیاں لے رہے ہیں، دل مچل رہا ہے، زبان پر عشق ومستی کے نغمات جاری ہو گئے ہیں۔ ابھی جہاز پر سوار ہیں، لیکن نگاہیں قصر محبوب کے حسین نظاروں سے لطف اندوز ہو رہی ہیں۔ بے خودی کے عالم میں عشق وعقیدت سے لبریز یہ اشعار گنگنانے لگتے ہیں۔

ملی جو ان سے نظر پھر نظر نہ آیا دل
غضب ہے آنکھوں ہی آنکھوں میں ہے چرایا دل
تڑپ رہا ہے جو پہلو میں آج رہ رہ کر
الٰہی خیر، یہ کس کی نظر کو بھایا دل
بلا کی چال ہے اے چشم نیم باز یہ چال
کہ ایک غمز میں مدہوش کر دکھایا دل
وہ کیا گیا مرے پہلو سے، اک ستم یہ ہوا
پلٹ گیا ہے مری زندگی کا کایا دل
کبھی تو دیکھ لو ترچھی نگاہ سے ہی سہی
بہت ستایا، بہت آپ نے دُکھایا دل
علیم کوچۂ الفت سے آشنا ہی نہ تھے
تو پھر یہ بیٹھے بٹھائے کہاں گنوایا دل

بلاشبہہ عشق وعقیدت کے جذبات سے سرشار ہو کر لکھی گئی اس نعت پاک میں غزل کا رنگ اور ہر ہر مصرعے میں ایک نیا کیف و سرور ہے۔ پاکیزگی ونغمگی ہے، جذبات کی صداقت ہے، بیان کی لطافت ہے، زبان کا حسن ہے اور ہر ہر شعر فن کا عظیم شاہ کار ہے۔

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کرنا عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحانی غذا اور باعث فخر وسعادت ہے۔ حضور مبلغ اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی اپنے تڑپتے دل اور مچلتے جذبات کو آسودگی کا سامان فراہم کرنے کے لیے نہایت عقیدت آمیز اور عاجزانہ لب ولہجے میں اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلاۃ وسلام کے رباعی اشعار پیش فرما رہے ہیں۔

تم شفیع عاصیاں ہو — سیدِ شاہِ شہاں ہو
چارۂ بے چارگاں ہو — دردمندِ بے کساں ہو
یا نبی سلام علیک
یہ علیمِ خفتہ قسمت — تھام کر دامانِ رحمت
مانگتا ہے اپنی حاجت — باز ہو بابِ اجابت
یا نبی سلام علیک

حضور مبلغ اسلام کی نعتیہ شاعری کے یہ چند نمونے ہیں جن سے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے عشقِ جنوں خیز اور روحانی وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے ورنہ آپ کی حیات کی ہر کلی عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشک بار ہے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

☆☆☆☆☆

نقد و نظر

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے

نام کتاب	:	مشکل کشا نمازیں
مصنف	:	مفتی عابد حسین مصباحی (فیض العلوم جمشید پور)
صفحات	:	(۸۰)
قیمت	:	درج نہیں
سن اشاعت	:	۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء
ناشر	:	المجمع القادری، مدرسہ فیض العلوم دھتکڈیہہ، جمشید پور، جھارکھنڈ
مبصر	:	محمد طفیل احمد مصباحی

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے جن قابل قدر فرزندوں نے بہار وجھارکھنڈ کی سرزمین کو اپنی دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس سے لالہ زار بنایا ہے ان میں ایک نام مفتی محمد عابد حسین نوری مصباحی کا بھی ہے۔ مفتی صاحب قبلہ ایک باصلاحیت مدرس، پختہ قلم کار اور ایک تقویٰ شعار صوفی منش عالم دین ہونے کے ساتھ اپنے سینے میں قوم وملت کی ہدایت واصلاح کا بے پناہ جذبہ بھی رکھتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب "مشکل کشا نمازیں" قوم مسلم کی فلاح وکامرانی کے اسے دینی جذبے کے تحت وجود میں آئی ہے۔ علامہ عبد المبین نعمانی صاحب قبلہ کی تقدیم اور مولانا شمس الہدیٰ مصباحی کی تقریظ نے کتاب کو سندِ اعتبار فراہم کر دی ہے۔

کتاب کی نوعیت کیا ہے؟ یہ نام ہی سے ظاہر ہے تاہم مصنف کے بقول "اس کتاب کی ساری نمازیں مجرب، زود اثر اور تیر بہ ہدف ہیں، ان میں سے کسی ایک کا آپ اپنے لیے انتخاب کر لیں اور اپنے مطلب وحاجت کے حصول کے لیے اسے عمل میں لائیں۔ انشاء اللہ کامیاب ہو کر رہیں گے، نامراد نہ ہوں گے۔ حاجت خواہ دنیاوی ہو یا دینی واخروی بہر صورت آپ جس ارادے سے پڑھیں گے اس کا حصول ضرور ہوگا۔ البتہ خداوند قدوس کی قدرت وچارہ گری پر یقین محکم، اس پر کامل بھروسہ، امید واثق اور عمل پیہم یہاں اولین شرط ہے۔ نیز جسم ولباس کی طہارت وپاکیزگی ضروری ہے۔ ان میں سے کچھ نمازیں تو وہ ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہونے والا مصلیٰ سے اٹھتا بھی نہیں کہ اس کی دلی مراد پوری ہو چکی ہوتی ہے۔" (مشکل کشا نمازیں، ص: ۱۱)

مذکورہ بالا اقتباس کا آخری جملہ قنوطیت اور مایوسی کی شبِ دیجور میں امتِ مسلمہ کے لیے قندیلِ رہبانی کی حیثیت رکھتا ہے اور آشفتہ حال مسلمانوں کو اس امر کا شدید احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنی مشکلات کے حل اور جائز مقاصد کے حصول کے لیے دعا ودوا کے دیگر طریقوں کے علاوہ نماز والے اس نسخۂ کیمیا کو بھی ضرور اپنائیں۔

اس کتاب میں فاضل مصنف نے نماز کی فضیلت اور بعدِ نماز دعا کی اہمیت پر داعیانہ اسلوب میں روشنی ڈالی ہے اور احادیث رسول، آثارِ صحابہ اور بزرگانِ دین سے منقول ان تمام نمازوں کی فہرست جمع کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے جو دفع بلیات، شفائے امراض، قضائے حاجات اور تحصیل مافات میں اکسیرِ اعظم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ عوام وخواص اور حاجت مند افراد کے لیے یہ کتاب یکساں مفید اور دل چسپی کی باعث ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کتاب میں دیے گئے اصول وہدایات کے مطابق عمل کیا جائے اور اس کار آمد ذخیرے سے خوب سے خوب تر فائدہ اٹھایا جائے۔

کتاب کے شروع میں ان گیارہ نمازوں کی تفصیل اور طریقہ بیان ہوا ہے جو حصول مراد میں بے پناہ تاثیر رکھتی ہیں۔ اس کے بعد مصنف نے حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے کشکول سے حاصل شدہ ان تین نمازوں کا بھی ذکر کیا ہے جو دفعِ مشکلات میں لاجواب ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ علامہ موصوف کو یہ تیسری نماز اپنے استاذ ومربی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے حاصل ہوئی ہے۔

کتاب مجموعی اعتبار سے قابل مطالعہ اور لائق استفادہ ہے۔ آج جب کہ امت مسلمہ نازک صورتِ حال سے دوچار ہے۔ ان کے سروں پر مصائب ومشکلات کی کالی گھٹائیں مسلط ہیں، ان کے حق میں یہ کتاب ایک طبیبِ روحانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کتاب کو عوام وخواص کے لیے مفید اور نافع بنائے اور مصنف کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

منظومات

سب سے الگ تھلگ

صد رشک کائنات ہے سب سے الگ تھلگ
بعد از خدا وہ ذات ہے سب سے الگ تھلگ

وسعت بہت ہے مدحِ رسولِ کریم میں
لکھیے وہی جو بات ہے سب سے الگ تھلگ

جس دولتِ عظیم سے دنیا ہے مالا مال
سیرت کی وہ زکات ہے سب سے الگ تھلگ

ہم کہکشاں سے اور بھی آگے نکل گئے
سر پر ہمارے ہات ہے سب سے الگ تھلگ

مقطع بھی خوب رکھا ہے حسان نے حسن
ثابت میں ہی ثبات ہے سب سے الگ تھلگ

نقادِ شعر و فن نے کیا اس سے اتفاق
اطہر تمہاری نعت ہے سب سے الگ تھلگ

حسن رضا اطہر بوکارو، جھارکھنڈ

حافظِ ملت کا یہ گلشن رہے باغ و بہار

بموقعِ جشنِ افتتاح دار العلوم حافظِ ملت، ساؤتھ افریقہ

حمدِ بے حد کا توئی ہے مستحق پرور دگار
تیری رحمت نے اگائے کیسے کیسے لالہ زار

شکر ہے مولا ترا تو نے بنایا ہے ہمیں
اپنے محبوب و مکرم کے چمن کا ریزہ خوار

روز و شب نازل ہوں تیری رحمتیں مولا مرے
اُن پہ، اُن کی آل، اولاد و خدم پہ بے شمار

یا رسول اللہ! بے شک جانِ جاناں آپ ہیں
باعثِ تخلیقِ عالم آپ کی ذاتِ وقار

آپ ہی کی پاک نسبت سے ہوئے ہیں سارے پاک
کل جہاں تیری مہک سے ہی ہوا ہے مشک بار

ہند کو چمکایا تو نے بھیج کر ہند الولی
جن کے قدم ناز سے چھائی یہاں فصلِ بہار

اجھر و اجمیر کلیر اور بریلی، بلگرام
دم بہ دم پڑتی ہے سب پہ تیری رحمت کی پھوار

صوفی صاحب، بھائی جان و بادشاہ و اولیا
اُن کی برکت حافظِ ملت کو لائی ہے اُتار

حافظِ ملت ہمارے پاسبانِ دین ہیں
جس نے ہیں پیدا کیے لعل و گہر بھی آبدار

حافظِ ملت چمکتا آفتابِ دہر ہیں
قریہ قریہ، بستی بستی پُر ضیا ہے بار بار

نور و نکہت میں ہے ڈربن جیسے لگتا اک دلھن
کر کے آئی ہو کہیں سے آج وہ سولہ سنگار

آج ڈربن کیوں چمکتا اور مہکتا ہے بھلا
کیا نسیمِ خُلد نے اس کو بنایا مشک بار

حضرتِ شاہِ محمد ہیں یہاں جلوہ فگن
فاتحِ افریشیا ہے ذات ان کی بے غبار

حافظِ ملت کی نسبت سے بنا دار العلوم
ان شاء اللہ علم و حکمت کی چلے بادِ بہار

حفظِ قرآنِ کریم و درسِ تفسیر و حدیث
قولِ حق قولِ پیمبر کی یہاں ہو گی پکار

جو مدد کرتا ہے عالم، حافظ و مفتی کی تو
پائے وہ حصہ بڑا رب کے یہاں سے بار بار

اے مزارِ حافظِ ملت تجھے لاکھوں سلام
گلشنِ صدر الشریعہ کے حسیں آئینہ دار

بہرِ عشقِ مسلکِ شاہِ امام احمد رضا
بن گیا دار العلوم حافظِ ملت خمار

اپنے پیارے کے بھی پیاروں کے صدقے میں سدا
لاج رکھنا اس ادارے کی مرے پروردگار

اے کہ تو فتّاح ہے، کرنا عطا فتحِ مبیں
ہو عطا طاقت اِسے صبح و مسا لیل و نہار

یہ فقیرِ قادری فیصل بھی ہے آمین گو
حافظِ ملت کا یہ گلشن رہے باغ و بہار

شاہ فیصل قادری مصباحی گونڈوی

صدائے بازگشت

یہ کالم ایک "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے"۔ اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی۔

صحافتی اقدار کی پاس داری ماہ نامہ اشرفیہ کا وصف ہے

مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب ——— سلام مسنون

ماہ نامہ اشرفیہ معیاری و علمی مضامین و مشمولات کے ساتھ ہر ماہ موصول ہو رہا ہے۔ صحافتی اقدار کی پاس داری اور احقاقِ حق اس کا وصف ہے۔ اس وقت اخلاق و اصلاح جیسے موضوعات پر مواد کی اشد ضرورت ہے، اس سمت میں آپ نے کسی قدر توجہ دی ہے، بہتر ہو گا کہ علامہ عبد المبین نعمانی کی تحریریں مستقل شائع ہوں، اس طرح عوام و علما بھی کی اصلاح کا سامان ہو گا اور آج جب کہ مادّی چکاچوند نے خواص کو بھی مرعوب کر رکھا ہے اور مغرب کی اندھی تقلید میں مسلک کی بھی پروا نہیں کی جا رہی ہے، روحانی اقدار کا احیا عہدِ حاضر کا سب سے بڑا تقاضا ہے۔ فقط۔ والسلام

غلام مصطفیٰ رضوی، نوری مشن، مالیگاؤں

اداریہ آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے

حضرت علامہ مبارک حسین صاحب قبلہ — تسلیماتِ وافرہ باید قبول

خیریت طرفین نیک مطلوب!

کافی عرصے سے دار العلوم مصطفائیہ، بڑودہ، گجرات میں ماہ نامہ اشرفیہ کا ورود مسعود ہو رہا ہے۔ پابندی کے ساتھ اس کی زیارت کرتا ہوں، بعدہٗ اولین فرصت میں قریب قریب سارے مشمولات بنظرِ غائر مطالعہ کرتا ہوں، جس سے قلب و نظر نہ صرف گلزار ہوتا ہے بلکہ منجمد فکر و شعور کو بھی قوتِ پرواز عطا ہوتی ہے۔ خصوصاً آپ کا اداریہ نہ صرف قابلِ مطالعہ بلکہ دل میں آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہوتا ہے۔ آپ کی تحریروں نے کچھ لکھنے کی مشق پر مجھ کو آمادہ کیا ہے، بس جرأت و ہمت کر کے کچھ فکر و ذہن کی الجھنوں کو سپردِ قرطاس کرنے کی سعی کی ہے، اس امید کے ساتھ کہ اگر ترمیم و تبدیلی کے بعد ہی سہی مقالہ اشاعت کے قابل ہو تو کر دیں جس سے حقیر کو آگے بڑھنے کا حوصلہ بھی ملے گا اور فکر و آگہی کو تقویت ملے گی۔ ورنہ اصلاح کے ساتھ ارسال کردہ مقالہ ماہ نامہ کے اندر واپس کر دیا جائے، جسے دیکھ کر اپنی غلطی کو سدھار لانے میں مدد ملے گی۔ فقط

خیر اندیش، محمد شجاع الدین افقر قادری

ماہ نامہ اشرفیہ -- ایک دبستانِ فکر

مکرمی جناب مدیر اعلیٰ صاحب ——— تسلیماتِ وافرہ

جولائی و اگست ۲۰۱۰ء کا تازہ ترین شمارہ اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ فردوسِ نگاہ بنا، خصوصیت کے ساتھ اگست ۲۰۱۰ء کے شمارے کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ عمدہ کاغذ، دلکش طباعت اور مضامین کے حسنِ انتخاب نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ ٹائٹل پیج کے اوپر رمضان المبارک کی مناسبت سے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی مختصر اور جامع تحریر قوم مسلم کے لیے نمونۂ درس ہے۔ ٹائٹل پیج کے اوپر اس طرح کے اقتباس کا سلسلہ جاری رکھیں۔ آپ کا فکر انگیز اداریہ "جامعہ اشرفیہ کا تعاون کیوں اور کیسے کریں" اس لائق ہے کہ قوم کے اصحاب خیر حضرات اس کی جانب اپنی خاص توجہ مبذول کریں، کیوں کہ واقعی "ایک صدی کی بساط پر پھیلی ہوئی الجامعۃ الاشرفیہ کی تعلیمی، تبلیغی اور تصنیفی خدمات چودھویں کے چاند کی طرح درخشاں اور فیض بار ہیں۔" آج فرزندانِ اشرفیہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں جو ملکی و عالمی خدمات انجام دے رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ کی دینی خدمات کو سراہتے ہوئے اس کا بھرپور مالی تعاون کیا جائے۔

یقیناً ماہ نامہ اشرفیہ کو معاصر رسائل و جرائد میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ محض ایک رسالہ ہی نہیں بلکہ ایک دبستانِ فکر ہے جو بروقت امتِ مسلمہ کو شعور و آگہی عطا کرنے کے ساتھ اس کی دینی و ملی رہ نمائی کرتا ہے۔ عمدہ مضامین، وقیع مقالات، شرعی مسائل اور حالاتِ حاضرہ پر حکیمانہ تبصرہ، اس رسالے کی بنیادی خصوصیات ہیں۔

"مسائل و مباحث" کے تحت حضرت مولانا عبد المبین نعمانی صاحب قبلہ کا مضمون بہت خوب ہے اور قوم مسلم کو دعوتِ فکر و عمل دیتا ہے۔ زکوۃ اور ادائیگی زکوۃ سے متعلق آج کل بڑی غفلت

برتی جاتی ہے اور مصارفِ زکوٰۃ میں بھی بڑی بے راہ روی اور بدعنوانیاں پائی جاتی ہیں۔

جنگ آزادی میں علمائے اہل سنت کی خدمات اور بے مثال قربانیاں ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ علمائے اہل سنت کی قربانیوں کو نظر انداز کرنا ایک ایسا گھنونا فعل ہے جو تاریخ کے روشن چہرے پر سیاہی پوتنے کے مترادف ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی کا مضمون کافی معلومات افزا اور حقیقت کشا ہے۔ اللہ تعالیٰ جامعہ اشرفیہ اور ماہ نامہ اشرفیہ کو مزید ترقی کی راہ پر گام زن کرے۔ آمین۔ فقط

محمد عبد المالک رضوی، الجامعۃ الامجدیہ بھیونڈی

اسلام کا نظریۂ اقتصاد

مکرمی جناب مدیر اعلیٰ صاحب —— تسلیماتِ وافرہ

اسلام ایک مکمل نظام حیات اور آئینۂ زندگی ہے، جہاں اس نے زندگی کے اور شعبوں کی طرف رہ نمائی فرمائی ہے، وہیں اقتصادیات اور معاشیات کے حوالے سے بھی اس کا دامن بھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب اور سرور کائنات ﷺ کی احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے سے اس عنوان سے بہت ساری باتیں ملتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے اس تعلق سے بڑی بحثیں فرمائی ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں باب البیع دیکھ کر ہماری بات کی تائید ہو جائے گی۔

اسلام تقدیر کے ساتھ تدبیر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے اس نے تجارت کا حکم دے کر "مال" کو اللہ رب العزت کا عطیہ شمار کیا ہے، بشرطے کہ دروغ گوئی، بے ایمانی، مکاری اور وعدہ خلافی نہ ہو۔

دوسری چیز جس سے منع فرمایا ہے وہ کم ناپ تول ہے، اسلام میں اس تعلق سے بہت ساری وعیدیں آئی ہیں۔ اس طرح سے ناجائز معاشی استحصال کرنے والوں کو فتنہ پرور قرار دیا ہے۔ آج بھی بعض جگہوں پر یہ طریقہ رائج ہے کہ وہ کم ناپ کر چیزیں بیچتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ پٹرول ٹنکی پر جائیں تو لیٹر کے اعتبار سے پیسہ چکانا پڑتا ہے لیکن ناپنے پر وہ کم ہوتا ہے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ایک ڈرم (جو دو سو لیٹر کا ہوتا ہے) ناپنے کے بعد چار پانچ لیٹر تیل کم نکلے گا۔

تیسری چیز جو ہے وہ سود ہے۔ آج سودی کاروبار اور لین دین کی وجہ سے بڑی بڑی کمپنیوں کا دیوالیہ ہو گیا ہے۔ دنیا آج جس مالی بحران اور اقتصادی جمود سے دوچار ہے، اس میں سود کا زیادہ ہاتھ ہے، سود کی وجہ سے آج کتنے لوگ بے روزگار ہو کر سڑک پر اتر آئے ہیں۔ امریکہ جو اقتصادیات کے تعلق سے عالمی منڈی مانی جاتی ہے، اس نے تو بہت سارے ورکروں کو کمپنیوں سے نکال دیا ہے۔ اسلام سود کو حرام قرار دیتا ہے۔ اس طرح کے کاروبار کرنے والوں کو اللہ و رسول سے جنگ کا اعلان مانتا ہے، اور آخرت میں اس کی جزا جہنم قرار دیتا ہے۔

لاریب مال اللہ کا فضل اور عطیہ ہے۔ قرآن ہمیں جہاں بخل سے روکتا ہے، وہیں اسراف سے بھی منع فرماتا ہے، بلکہ وہ میانہ روی اور اعتدال پسندی کا قائل ہے۔

عام طور پر دوسری قومیں "مال" کو اپنے ہی لیے سمجھتی ہیں، دان کے طریقے پر محتاجوں کو جو دیتی ہیں وہ بھی برائے نام ہے۔ اسلام اس طرح کے تصور کا قائل نہیں بلکہ وہ مال کے اندر جب کہ وہ اپنے مخصوص شرائط کے ساتھ ہو، غریبوں، لاچاروں اور مجبوروں کے حقوق بتاتا ہے۔ زکاۃ، صدقہ، خیرات وغیرہ سب اسی تناظر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اسلام اس پر عمل نہ کرنے والوں سے جہاد کا حکم دیتا ہے۔

آج تقریباً ساری دنیا پیسہ کمانے کے پیچھے بے تحاشہ بھاگ رہی ہے، اپنے حقوق و فرائض سے پوری طرح سبک دوش نہیں ہو پا رہی ہے اور اسلام اس چیز سے منع فرماتا ہے، یہ کہہ کر کہ تمہارے اموال و اولاد فتنوں کے باعث ہیں۔

دنیا کے اندر آج سرمایہ دارانہ نظام اس طرح سے قائم ہے کہ صرف مال و دولت بٹورا جائے، بے چارہ غریب جیسے چاہے بھوک سے تڑپے، مرے اس کی کچھ پروا نہیں۔ اپنے ہی ملک کے تاجروں کو دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ کمی کے وقت راشن و غلہ روک لیتے ہیں، پھر اسے اپنے حسب منشا فروخت کرتے ہیں۔ اسلام نے اس سے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے۔

امانت داری، راست گوئی، پورا ناپ تول اور پاکیزہ تجارت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ فرمانِ رسالت مآب ﷺ ہمیں تو یہاں تک

بتاتا ہے کہ راست گو تاجر قیامت کے دن انبیا اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔ قرض (ادھار) کے ساتھ بھی لین دین کی اجازت دیتا ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کا وقت متعین ہو تا کہ جھگڑے کا سبب نہ پیدا ہو اور بگاڑ کی نوبت نہ آئے۔

ید علیٰ (دینے والے ہاتھ) کو ید سفلیٰ (لینے والے ہاتھ) سے بہتر قرار دیتا ہے، جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اپنی "محنت کی کمائی" کھانی چاہیے، بلاوجہ بھیک مانگنے سے بچا جائے کہ یہ ذلت و عار کا سبب ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی اس حدیث، جس میں آپ ﷺ نے ایک انصاری کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بازار میں بیچنے کا حکم فرمایا تھا ہمیں ان سے رہ نمائی ملتی ہے۔

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارے نوجوانوں نے اسلامی قدریں فراموش کر دی ہیں۔ خدا کرے کہ وہ دن آئے جس سے وہ اسلام کی امتیازی خصوصیتوں کو سمجھ کر عملی پیش رفت کریں تا کہ وہ دنیا میں ہمارے اسلاف کی طرح مشعلِ راہ بن سکیں۔

فقط۔ والسلام مسرور عالم مصباحی

آزادی اور مسلمان

مکرمی جناب مدیر اعلیٰ صاحب —— تسلیماتِ وافرہ

ہندوستان ایک جمہوری اور سیکولر ملک ہے، یہاں کی جمہوریت پوری دنیا کے لیے ایک مثال ہے۔ اس ملک میں بہت سی قومیں اور طبقے آباد ہیں، ان میں سب سے بڑا اقلیتی طبقہ مسلمانوں کا ہے۔ ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں مسلمانوں نے جو کردار ادا کیا وہ کسی پر مخفی نہیں البتہ متعصب ذہنیت کے افراد اسے اہمیت نہ دیں تو یہ الگ بات ہے۔ ورنہ سچائی تو یہ ہے کہ ہندوستان میں قومیت کا شعور مسلمانوں نے پیدا کیا اور وطن و قومیت کے نام پر سب سے پہلے قربانیاں بھی انھوں نے ہی پیش کی۔ ان قربانیوں کی بدولت ہی ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کو انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے رہائی نصیب ہوئی۔

لیکن آج جب ہم اپنے ملک کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستانی دستور میں درج تمام ضمانتوں اور صراحتوں کے باوجود اور آئین کو بالائے طاق رکھ کر یہاں کے مفاد پرست سیاست دانوں نے اپنا ہی کھیل شروع کر رکھا ہے۔ فسادات، بدعنوانی، استحصال اور مفادات پر مشتمل ایک پوری سرکاری مشینری کو فروغ دیا گیا۔ ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا دیا گیا ہے۔ ہر سطح پر ان کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے اور آزاد ہندوستان کی تاریخ کے ہر موڑ اور ہر سطح پر انھیں ظلم و ناانصافی کا مرکز و محور بنایا گیا ہے۔ سرکاری ملازمت ہو یا تعلیمی اور اقتصادی میدان ہر جگہ تفریق برتی گئی ہے۔

اس سلسلے میں ایک لطیفہ ذہن میں آرہا ہے۔ "کسی نے کہا میاں! آج کل رشوت خوری کافی بڑھ گئی ہے، اب تو سرکاری یا غیر سرکاری کوئی بھی کام کرنا کرانا ہو بغیر رشوت کے ہو ہی نہیں سکتا۔ جواب ملا: میاں اللہ کا شکر ادا کرو کہ ہندوستان میں رشوت چل گئی ورنہ کہیں مسلمان دکھائی نہیں دیتے۔"

آج مسلمانوں کی پس ماندگی کا یہ عالم ہے کہ وہ درج فہرست ذات اور درج فہرست اقوام و قبائل سے بھی آنکھیں چار کرنے کے لائق نہیں رہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی ٹھوس پروگرام نہیں ہے۔ مسلمانوں کا ہر لیڈر اپنا نام اور اپنا مفاد دیکھتا ہے۔ تحریک ۱۸۵۷ء میں مسلم مجاہدین آزادی نے ہندوستانی مسلمانوں میں وطن پرستی کی جو روح پھونکی تھی اور قومیت کا جیسا ارفع و اعلیٰ تصور پیش کیا تھا ہمارے آج کے قائدین اس کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اور ان کے مذہبی اور سیاسی قائدین سر جوڑ کر، کاندھے سے کاندھا ملا کر آپسی اور شخصی اختلافات کو پس پشت رکھ کر امتِ مسلمہ کے مسائل کے سلسلے میں پوری اجتماعیت اور اتحاد کے ساتھ ہم آہنگ اور ہم آواز ہوں۔ حقوق کی بازیابی، انصاف کے حصول، اقتصادی، سیاسی، تعلیمی، سماجی غرض تمام شعبوں میں مساوی اور منصفانہ سلوک کے لیے سنجیدہ اور منصوبہ بند تحریک چلائیں، غیروں کا بھروسہ چھوڑ کر اپنے دست و بازو پر توکل کریں، دوسروں پر تکیہ کرنے کے بجائے اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کریں اور ایک مثبت اور متحدہ پروگرام کے تحت اپنی آواز کو ارکانِ حکومت تک پہنچانے کی جدوجہد کریں تو یقیناً کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ فقط

ابو التمش aboaltamash@gmail.com

☆☆☆☆☆

عالمی خبریں

ساؤتھ افریقہ میں دار العلوم حافظ ملت کا جشن افتتاح

جس نے پیدا کیے کتنے لعل وگہر
حافظِ دین وملت پہ لاکھوں سلام

دنیائے سنیت میں یہ خبر بڑی خوشی کے ساتھ پڑھی اور سنی جائے گی کہ عالم اسلام کی عظیم علمی درس گاہ "الجامعۃ الاشرفیہ" کے ایک گل سرسبد مولانا فتح احمد بستوی نے بحمدہ تعالیٰ اپنی مہک سے دنیا اور ماحول کو معطر بنا دیا ہے، جس سے نہ جانے کتنے گم گشتگانِ راہ کو ہدایت اور علم کی دولت نصیب ہوگی۔ عملی مکان یابی اور رجسٹریشن مین تاخیر کے سبب بہت کم مدتی اعلان اور شارٹ نوٹس کے باوجود ابرِ فیضانِ حضور حافظِ ملت خوب جھوم جھوم کر برسا اور مادّی نگاہوں نے خیرہ ہو کر علما و عوامِ اہل سنت کا جم غفیر دیکھا۔ دوسرے دن ہی شبِ براءت اور دو ہفتے بعد ماہ رمضان المبارک کی آمد آمد کی وجہ سے علما، ائمہ، حفاظ کی مصروفیات کے باوجود چشم تصور نے حقیقت ثابتہ واقعیہ کے سامنے سر ٹیک دیا اور ایک بار پھر اہل ایمان کو تقویت نصیب ہوئی کہ۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

یابقول شخصے: ؎

جو ہو ذوقِ طلب صادق تو منزل مل ہی جاتی ہے

اللہ کا کرم خاص، اس کے پیارے محبوب کی نظر عنایت اور حضور حافظ ملت کی روحانیت تھی کہ رونقِ بزم چھوٹے بڑے سارے علما و مشائخ سب ہی یک ذہن و ہم خیال تھے۔ اور عارف رومی نے بجا فرمایا ہے کہ اگر دو ہم ذہن ایک ساتھ ہو جائیں تو دو جہان کو آباد کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ زوجین کی ہم ذہنی اور باہمی مدعٰی ہی ایک نئی ہستی کو جہانِ رنگ و بو میں لاتی ہے، ورنہ اگر خیالات میں انتشار اور اپنی اپنی الاپ ہو تو ساری کائنات ایک بھیڑ ہے جو اندھیرے میں لاٹھیاں چلا رہی ہے۔

کتنی پر کیف اور مسرت افزا تھی وہ رات جس میں "دار العلوم حافظ ملت" کا جشن افتتاح ۲۵/ جولائی کو ساؤتھ افریقہ کے مشہور شہر ڈربن میں بڑے اہتمام کے ساتھ منایا گیا۔ ۲۵/ جولائی کی صبح ۱۰ بجے پروگرام شروع ہوا۔ محفل کا آغاز مولانا قاری تراب علی نوری کی تلاوتِ کلام اللہ سے ہوا۔ مقامی عالم اور نعت خوان مولانا قاسم جی اشرفی نے بارگاہِ رسالت میں منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ملکی و ملی مسائل میں سرگرم عمل ساؤتھ افریقی عالم دین مولانا طارق صاحب قبلہ نے قوم وملت کو درپیش مسائل کا تجزیہ اچھوتے انداز میں کرتے ہوئے مدارس اسلامیہ اور دار العلوم کی ضرورت و اہمیت سے قوم مسلم کو آگاہ کیا اور سامعین پر زور دیا کہ ایسے مراکز اور اداروں کی مدد ایک دینی وملی فریضہ ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ مدارس اسلامیہ وہ دینی قلعے ہیں جہاں سے نئی نسلوں کے ایمان و عقائد کی حفاظت کا سامان مہیا کیا جاتا ہے۔

مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی نے فرمایا کہ ہر گھر اور خاندان کو دار العلوم ہونا چاہیے، کیوں کہ آج کے اس پرفتن دور میں جب کہ اسلامی قدریں پامال ہو رہی ہیں، اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ایسے دینی ادارے قائم کیے جائیں تاکہ علم و عمل، اخلاص وخشیت اور تقویٰ وطہارت کو فروغ مل سکے۔

آیتِ کریمہ "ان تنصر اللہ ینصرکم" کے تناظر میں مولانا سید محمد امین گجراتی نے بڑا پرمغز خطاب فرمایا اور دار العلوم حافظ ملت کے بانی مولانا فتح احمد بستوی مصباحی کی خدمات کو سراہتے ہوئے ڈربن کے عوام و خواص کو دار العلوم حافظ ملت کے تعاون اور انتظام کی ترغیب دی۔

اس کے بعد دار العلوم حافظِ ملت کے بانی مولانا فتح احمد بستوی نے تمام سامعین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس دینی اجلاس میں تقریباً ڈیڑھ درجن علما اور ائمہ نے شرکت کی۔ شرکا میں مولانا عبد القادر اعظمی، مولانا فیضان لکھنوی، قاری امین اشرفی اور مولانا نذیر احمد رضوی کے اسما خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

از: شاہ فیصل قادری، ڈربن، ساؤتھ افریقہ

"دی نور چینل" کا ایک پروگرام حضور حافظ ملت کے نام

برمنگھم، انگلینڈ میں عرس حضور حافظ ملت کی مناسبت سے بزم حافظ ملت کا انعقاد ہوا، جس میں حضور حافظ ملت علامہ

الشاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات و خدمات اور ان کے اوصاف و کرامات نیز ان کے قائم کردہ ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے حوالے سے حضرت مولانا نظام الدین پٹیل صاحب کا پرمغز خطاب ہوا۔ ان کا خطاب دو گھنٹے تک جاری رہا۔ انھوں نے حضور حافظ ملت کے اخلاق و عادات سے متعلق بہت ہی معلومات افزا باتیں بتائیں۔ خصوصًا حضور حافظ ملت کی عاجزی و انکساری کے حوالے سے خطاب کرتے ہوئے چند واقعات بیان فرمائے اور فرمایا کہ عاجزی اور انکساری انسان کو اوج ثریا تک پہنچا دیتی ہے، حضور حافظ ملت دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ عاجزی اور انکساری میں بھی منفرد تھے، جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر میں ان کی مقبولیت کو عام و تام فرما دیا۔ مولانا موصوف نے اہل اسلام کو خصوصًا انگلینڈ میں رہنے والے مسلمانوں کو حضور حافظ ملت کے اخلاق و عادات اختیار کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کی۔

شیخ علاء الدین صدیقی صاحب نے اپنے قائم کردہ چینل "دی نور ٹی وی" کے ذریعہ بزم حافظ ملت کے اس پروگرام کو دنیا کے ۱۸۰/ ممالک میں نشر کیا، اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ انٹرنیٹ کے ذریعہ اس پروگرام کو پوری دنیا میں نشر کرنے کی کامیاب سعی کی۔ دنیا بھر میں اس پروگرام کو دیکھا اور سنا گیا، شیخ علاء الدین صدیقی صاحب محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد خاں کے شاگرد ہیں، آپ "محی الدین اسلامک یونیورسٹی۔ پاکستان" کے چانسلر، "محی الدین میڈیکل کالج۔ پاکستان" کے بانی، اور "الاِحیا ٹرسٹ" کے چیرمین ہیں۔ آپ نے دی نور چینل کو برمنگھم، انگلینڈ میں قائم کیا۔ آپ اس کے ذریعہ دنیا کے ایک سو اسی ممالک میں علمائے اہل سنت کی تقاریر، نعتیں، اصلاحی بیانات اور فقہی مسائل نشر کر کے اہل سنت وجماعت کا عظیم کام انجام دے رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مذہب اہل سنت کی زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دینے کی انھیں توفیق بخشے اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔　از: محمد ناصر حسین مصباحی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

اسپین کی پارلیمنٹ میں برقع پر پابندی کی قرارداد نامنظور

فرانس اور بلجیم میں برقع پہننے پر پابندی لگائے جانے کے بعد اسپین کی پارلیمنٹ نے عوامی مقامات پر برقع پر پابندی سے متعلق قرارداد کو نامنظور کر دیا ہے۔ اپوزیشن کنزرویٹو پاپولر پارٹی نے پارلیمنٹ میں ایک قرارداد پیش کی تھی جس میں اس نے سوشلسٹ پارٹی کی حکومت سے مسلم خواتین کے جسم اور چہرے کو ڈھکنے کے لیے برقع پہن کر عوامی مقامات پر جانے پر پابندی لگانے کے بارے میں غور کرنے کو کہا تھا، لیکن ۳۵۰/ رکنی پارلیمنٹ میں یہ قرارداد ۲۱/ ووٹوں سے نامنظور کر دی گئی۔ پارلیمنٹ میں برقع پر پابندی لگانے سے متعلق قرارداد پاس ہو بھی جاتی، تب بھی اسے نافذ کرنے کے لیے حکومت پابند نہیں ہوتی۔ برقع پر پابندی لگانے کے مخالفین کا کہنا ہے کہ اس سے جمہوریت کو نقصان پہنچے گا، اس کے ساتھ ہی اس سے مذہبی آزادی کی خلاف ورزی ہوگی، جب کہ اس کے حامیوں کا کہنا ہے کہ یہ قومی سلامتی کا معاملہ ہے۔

(بحوالہ روزنامہ راشٹریہ سہارا ۲۲/ جولائی ۲۰۱۰ء)

مسلمانوں کے لیے بند ہو رہے ہیں یورپ کے دروازے

گزشتہ کچھ مدتوں میں تمام یورپی ممالک سے ایسی خبریں موصول ہو رہی ہیں جن سے یہ واضح اشارے مل رہے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے یورپی سماج اپنے دروازے بند کر رہا ہے۔ کئی ملکوں میں تو مسلمانوں کے خلاف عوامی احتجاجی مظاہرے تک ہوئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے یورپی سماج "اسلاموفوبیا" کا شکار ہو گیا ہے۔ یورپی ممالک میں ان دنوں برقع موضوعِ بحث بنا ہوا ہے۔ فرانس اور بلجیم کے بعد شام کی یونیورسٹیوں میں نقاب پر پابندی نافذ کر دی گئی ہے۔ فرانس میں عوامی مقامات پر برقع پہننے پر پابندی لگائی جا رہی ہے سرکار کا ماننا ہے کہ برقع فرانس میں مساوی روایات کے خلاف ہے۔ فرانس میں برقع پہن کر عوامی مقامات پر نکلنے والوں پر ۱۵۰/ یورو کا جرمانہ لگایا جائے گا۔ یہاں پہلے ہی مسلم ٹوپی، اسکارف اور کراس پر پابندی عائد ہے۔

بلجیم میں بھی برقع پر پابندی لگا دی گئی ہے، یہاں پیش کیے گئے قانون میں کہا گیا ہے کہ کسی بھی طرح کا برقع، جس سے چہرا پورا یا آدھا ڈھکا ہوا ہو، عوامی مقامات پر پہننا غیر قانونی ہے۔

سوئزرلینڈ میں مذہبی مقامات پر بنائے جانے والے میناروں پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ اس سے یہاں رہنے والے تقریباً ۴۰/

ہزار مسلمانوں کو زبردست جھٹکا لگا ہے۔ جب کہ دوسری طرف جرمنی میں بھی میناروں پر پابندی لگانے کا مطالبہ زور و شور سے اٹھایا گیا ہے، جرمن سرکار نے اس پر ابھی کوئی فیصلہ نہیں لیا ہے۔

پولینڈ کے دار الحکومت وارسا میں کھلے عام سڑکوں پر مسلم مخالف مظاہرے ہو رہے ہیں۔ مظاہرین کا مطالبہ ہے کہ دار الحکومت وارسا میں اسلامی کلچر سینٹر بنانے کی اجازت نہ دی جائے۔

(بحوالہ روزنامہ راشٹریہ سہارا ۲۲؍ جولائی ۲۰۱۰ء)

جرمنی کے دار الحکومت برلن میں ایک بڑی مسجد کی تعمیر

۲۱؍ مئی ۲۰۱۰ء بروز جمعہ جرمنی کے دار الحکومت برلن میں ایک بڑی مسجد کا افتتاح عمل میں آیا۔ یہ مسجد "کروز برج" میں واقع ہے جہاں زیادہ تر ترکی النسل آبادی ہے۔ مسجد میں بیک وقت دو ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔ اخبار الخلیج کے مطابق مسجد کا گنبد خالص شیشے کا بنا ہوا ہے، چار مینارے ہیں اور مسجد کا کل رقبہ پانچ ہزار مربع میٹر ہے۔ مسجد کے اندر سات منزلیں ہیں، اسی کے ساتھ ایک تجارتی مرکز، ایک لائبریری اور ایک اسلامی مرکز بھی ہے۔

رپورٹ کے مطابق مسجد کی تعمیر میں تقریباً ۱۰ ملین یورو کا صرفہ آیا ہے۔ خاص طور پر اس کی تعمیر میں لبنانی اور فلسطینی مسلمانوں نے حصہ لیا ہے، لیکن جیسا کہ یورپ میں ایک عام مزاج سا بن گیا ہے کہ جب بھی کسی مسجد کی تعمیر ہوتی ہے یا حکومت تعمیر کی منظوری دیتی ہے تو کچھ شر پسند عناصر اس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی کچھ واقعہ پیش آیا۔ مسجد کی تعمیر کے بعد دائیں بازو کے ممبران میں ایک بحث چھڑ گئی ہے اور یہ مسجد موضوعِ بحث بن گئی ہے۔

ایک سرگرم مذہبی یہودی خاتون کا قبولِ اسلام

یہودی مذہب سے تعلق رکھنے والی "طالی فحیما" نامی خاتون نے گزشتہ ماہ جون میں اسلام قبول کر لیا اور قبولِ اسلام کے بعد اپنا نام "ندیٰ" رکھ لیا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں، انھوں نے کہا کہ ہم میں ہر ایک کو صحیح دین کی تلاش ہے اور ہر شخص اس کی کوشش بھی کرتا ہے، بعض کو یہ نعمت ملتی ہے اور بعض محروم رہتے ہیں اور اسی طرح دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ میں نے جب اسلام کا مطالعہ کیا تو مجھے شدت کے ساتھ یہ محسوس ہوا کہ یہی وہ سچا دین ہے جو ہر ایک انسان کی فطرت میں موجود ہے، یہ دین ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہے، اس میں کسی طرح کا کوئی نقص نہیں ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہی وہ مذہب ہے جس کے بارے میں اب تک میں سرگرداں تھی۔ اور یہ ہر فرد کی خوش نصیبی ہے کہ وہ ایسا دین اختیار کرے جو دنیا میں اطمینان و سکون اور آخرت میں عذاب سے خلاصی کا باعث بنے۔

کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ادا کرتے وقت کی اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے محترمہ نے کہا کہ میں اس وقت کی حالت بیان نہیں کر سکتی، میرے پاس اس کے لیے الفاظ نہیں ہیں، اس وقت جو جذبات و خیالات پورے وجود پر حاوی تھے اس کو ادا کرنے کے لیے تمام کلمات ہیچ ہیں، بس اتنا ہی کہہ سکتی ہوں: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانِیْ اِلَی الاسلام۔

اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے یہودی معاشرہ کے تعلق سے نومسلم خاتون نے کہا کہ میرے زیادہ تعلقات نہیں ہیں اور جو بھی جاننے والے ہیں انھوں نے دین اسلام قبول کرنے پر میری مخالفت نہیں کی بلکہ ان لوگوں نے مجھے مبارک باد دی اور میں نے پہلے ہی سے طے کر لیا تھا کہ اگر ہمارا یہودی معاشرہ اس کی مخالفت کرتا رہے تب بھی ہم دینِ اسلام پر قائم رہیں گے۔ نومسلمہ نے زور دے کر کہا کہ دین اسلام میں سب سے زیادہ جس چیز نے مجھے متاثر کیا وہ تواضع وانکساری اور بے نفسی و بے ضرری ہے۔

خیر و خبر

فقیہ اہل سنت قاضی عبد الرحیم بستوی کا سانحۂ ارتحال

۵؍ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۵؍ اگست ۲۰۱۰ء بروز اتوار فقیہ اہلِ سنت قاضی عبد الرحیم بستوی کا انتقال ہو گیا۔ دنیائے اہلِ سنت میں آپ کی وفات حسرت آیات سے صفِ ماتم بچھ گئی۔ عوام و خواص جن تک بھی یہ خبر پہنچی وہ غم و اندوہ میں ڈوب گئے اور حضرت کی تہہ دار شخصیت اور دینی و ملی خدمات کو یاد کرنے لگے۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں جب آپ کے سانحۂ ارتحال کی خبر پہنچی تو یہاں کے اساتذہ اور اسٹاف نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور بارگاہ خداوندی میں آپ کی مغفرت اور بلندیِ درجات کے لیے دعائیں کیں۔

قاضی صاحب کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔ علم و عمل، دینی بصیرت، فقہی مہارت، تصلب فی الدین، تقویٰ و طہارت، حسن اخلاق اور عمدہ کردار کے آپ پیکرِ جمیل تھے۔

رئیس الفقہا مفتی قاضی عبد الرحیم ابن قاضی محمد زکی الرحمٰن کی ولادت یکم جولائی ۱۹۳۵ء بمقام جبجوا، ڈومریاگنج، ضلع بستی (ایس. نگر) میں ہوئی۔ آپ کا خاندان ایک علمی خاندان ہے اور آپ اس علمی خاندان کے چشم و چراغ اور گوناگوں اوصاف و کمالات کے حامل تھے۔

آپ کے والدین نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی اور اعلیٰ پیمانے پر آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ ۱۹۵۰ء میں "اردو مڈل" پاس کرنے کے بعد علوم اسلامیہ کے حصول کی خاطر دار العلوم فضل رحمانیہ، بچپڑوا، گونڈہ میں داخلہ لیا۔ بعد ازاں ۱۹۵۵ء میں مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف کا رخ کیا اور یہاں ریحانِ ملت حضرت ریحانی میاں سے اکتسابِ علم کیا۔ اس کے بعد صدر العلما علامہ غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضری دی اور یہاں سے علم و فضل کے آفتاب بن کر نکلے۔

آپ کے اساتذہ میں حضور ریحانی میاں اور حضرت غلام جیلانی میرٹھی کے علاوہ شارحِ بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، علامہ سید افضل حسین مونگیری اور مولانا قاری رضاء المصطفیٰ امجدی کے اسما خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ یکم اگست ۱۹۶۱ء کو "دار العلوم مظہر اسلام" بریلی شریف بحیثیت مدرس آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ آپ کی علمی لیاقت اور فقیہانہ بصیرت کو دیکھتے ہوئے حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے مفتی شریف الحق امجدی کے بعد آپ کو رضوی دار الافتا کی پوری ذمہ داری سونپ دی اور تقریباً ۹ سال تک آپ رضوی دار الافتا میں فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ منظر میں اسلام بحیثیت صدر مفتی منتخب ہوئے۔

گزشتہ ۲۸؍ سالوں سے وفات کے آخری ایام تک آپ مرکزی دار الافتا بریلی شریف میں فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس طرح سے آپ کی دینی، ملی اور فقہی خدمات کا دائرہ نصف صدی (۵۰؍ سال) پر محیط ہے۔ افسوس! کہ علم و فضل کا یہ سورج نصف صدی تک اپنی کرنیں بکھیرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ نمازِ جنازہ آبائی وطن جبجوا، ڈومریاگنج، ضلع سدھارتھ نگر میں ادا کی گئی، ہزاروں افراد نے جنازے میں شرکت کی، اور پُر نم آنکھوں سے آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ شہزادۂ تاج الشریعہ مولانا عسجد رضا نے جنازے کی نماز پڑھائی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے آپ کی مغفرت فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ (ادارہ)

جامعہ عربیہ اسلامیہ ناگ پور کا سالانہ اجلاس

ہندوستان کی مشہور و معروف درس گاہ جسے پیشوائے اہل سنت حضور فقیہ اعظم ہند سیدنا مفتی محمد عبد الرشید فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۳۸ء میں قائم فرمایا تھا، الحمد للہ اس ادارے نے اپنی دینی، ملی اور علمی خدمات کے ۷۳؍ سال مکمل کر لیے ہیں۔ سالانہ اجلاس کے موقع پر ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے علمائے کرام و مشائخ عظام کے ہاتھوں اس ادارے سے فارغ ہونے والے ۸؍ حفاظِ کرام کو دستارِ حفظ و قراءت سے نوازا گیا۔ اجلاس کی صدارت مولانا قاری محمد بدیل احمد خان، سرپرستی مفتی عبد الرشید کارنجوی اور قیادت مفتی عبد القدیر خاں جانشین حضور فقیہ اعظم ہند نے فرمائی۔ حضرت مولانا مفتی عبد الحلیم امیر دعوت اسلامی نے حضور فقیہ اعظم ہند کے فتویٰ جات اور فقہی عظمت پر روشنی ڈالی۔ مولانا ریاض احمد نقش بندی نے جامعہ

عربیہ اسلامیہ ناگ پور کے تعلیمی معیار اور جامعہ کے فارغین علما کی دینی خدمات کا ذکر کیا۔ مولانا قاسم رضا گورکھپور نے دینی مدارس کی اہمیت اور صدرِ اجلاس مولانا زبیر احمد صاحب نے شب براءت، نماز اور روزے پر بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ مولانا مفتی عبد الرشید کارنجوی کی دعاؤں پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

از: محمد عبد اللطیف انصاری، جامعہ عربیہ ناگ پور

مسلم فاؤنڈیشن دہلی کے زیر اہتمام اجلاسِ بیداری

نئی دہلی، یکم اگست (پریس ریلیز) عصری دانش گاہوں، یونیورسٹیز اور کالجز میں زیر تعلیم سبھی مسلم طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مذہبی تشخصات کا خیال رکھیں لیکن عربی مدارس اور دینی درس گاہوں سے باضابطہ فارغ التحصیل طلبہ کے لیے جو یونیورسٹیز میں زیر تعلیم ہیں، زیادہ لازم ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق خود تعلیم حاصل کریں اور اپنے ہم جماعت اور ہاسٹل پارٹنر ز طلبہ کو متاثر کریں۔ کیوں کہ ایسا علم جس سے کسی کو فائدہ نہ پہنچے اور خود جس پر عمل نہ کیا جائے وہ غیر مفید ہوتا ہے۔

مذکورہ خیالات کا اظہار علامہ یٰسین اختر مصباحی، بانی وصدر دار القلم، نئی دہلی نے مسلم فاؤنڈیشن دہلی کے زیر اہتمام اجلاسِ بیداری کے صدارتی خطاب میں فرمایا۔ «یونیورسٹیز میں زیر تعلیم طلبہ کی ذمہ داریاں» کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے خصوصی مقرر پروفیسر طلحہ رضوی برق صاحب، وزٹنگ پروفیسر دہلی یونیورسٹی نے کہا کہ عربی مدارس کے فارغین علماے کرام جب یونیورسٹیز میں اپنے مذہبی و منصبی تشخصات کے ساتھ نظر آتے ہیں تو ان کی بڑی قدر ہوتی ہے لیکن بر خلاف اس کے جو لوگ اپنی شناخت تبدیل کر لیتے ہیں ان کی حیثیت عام ہو جاتی ہے۔ مسلم فاؤنڈیشن کی گراں قدر خدمات کی تعریف کرتے ہوئے جناب احمد جاوید صاحب ایڈیٹر روزنامہ ہندوستان ایکسپریس نے کہا کہ عربی مدارس کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد عصری تعلیم کی طرف رغبت رکھنے والے طلبہ اور مختلف یونیورسٹیز میں نو داخل طلبہ کے لیے مسلم فاؤنڈیشن اور اس کے تعارفی کتابچے بڑے مفید ثابت ہوئے ہیں۔

پروگرام کا آغاز مولانا محمد اکرم رضا کی تلاوتِ قرآن سے ہوا جناب ماہتاب عالم مصباحی صاحب جے. این. یو. نے خیر مقدمی کلمات کہے اور فاؤنڈیشن کی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کی۔ مولانا ممتاز عالم صاحب شعبہ علوم اسلامی جامعہ ملیہ اسلامیہ نے افتتاحی خطاب پیش کیا۔ مولانا رفعت رضا نوری مصباحی اور مولانا قیام الدین مصباحی نے نعت خوانی کی۔ جبکہ نظامت کے فرائض مولانا اشرف الکوثر مصباحی، مرکز براے مطالعۂ مذاہب و ثقافت، جامعہ ملیہ اسلامیہ نے انجام دیے۔ مولانا شوکت علی نظامی ڈائریکٹر مسلم فاؤنڈیشن نے اظہار تشکر کیا اور آئندہ کے عزائم اور منصوبہ جات پیش کیے۔ اہم شرکا میں مولانا محمد قاسم مصباحی این. سی. پی. یو. ایل. مولانا کاظم علی مصباحی، مجلس برکات مٹیا محل، جناب اسفر فریدی، نیوز ایڈیٹر، ڈی. ڈی نیوز دہلی، محمد ظفر الدین برکاتی مصباحی، ایڈیٹر ماہنامہ کنز الایمان دہلی قابل ذکر ہیں۔ دہلی کی مختلف یونیورسٹیز کے طلبہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

صوفیاے کرام نمبر

یہ خبر مسرت کے ساتھ دی جا رہی ہے کہ برصغیر ہند و پاک کے صوفیاے کرام و اولیاے عظام کی حیات و خدمات اور ان کی دینی و ملی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لیے خانقاہ عالیہ شہبازیہ کی جانب سے حضور صاحب سجادہ حضرت مولانا سید شاہ محمد اشتیاق عالم ضیا شہبازی مد ظلہ العالی کی سرپرستی میں «صوفیاے کرام نمبر» شائع کیا جا رہا ہے۔ اس اعلان کے ذریعہ اہل قلم حضرات سے التماس ہے کہ وہ برصغیر ہند و پاک کے صوفیاے کرام کے سلسلے میں تاریخ و سیر کے حوالوں سے مزین مضمون لکھ کر مندرجہ پتہ پر ارسال کریں۔ مضمون کو معیاری اور تحقیقی انداز میں پیش کریں۔

مولانا سید محمد مخمور جامی

خانقاہ عالیہ شہبازیہ، ملا چک شریف، بھاگل پور، بہار

R.N.I. No.: 29292/76 Regd No.: AZM/N.P.28
THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur, Azamgarh (U.P.)-276404 Phone:(05462)250092, 250149, Fax:251448
http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

صدر الشریعہ نمبر

فقیہ اعظم صدر الشریعہ علامہ شاہ امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۷ھ) کی شخصیت وخدمات پر

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کا انتہائی وقیع اور اولین کارنامہ

صدر الشریعہ نمبر

شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اس نمبر کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔

ہماری جماعت کے جمود وتعطل کا یہ عالم ہے کہ حضرت صدر الشریعہ کے وصال کے بعد ۴۹ر سال تک پوری دنیائے سنیت میں اس سلسلے میں خاموشی رہی۔ اس خصوصی شرف میں بھی جامعہ اشرفیہ کا کوئی حریف نہیں کہ اس نے بڑے اعلیٰ پیمانے پر صدر الشریعہ نمبر نکال کر پوری دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ جو واقف کار تھے انہیں پرانی یادیں تازہ ہوگئیں اور جو ناواقف تھے انہیں معلوم ہوگیا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اپنے بعد اپنے جتنے جانشین چھوڑے ان سب کی صف اول میں حضرت صدر الشریعہ کا مقام ہے۔

یہ نمبر پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب .... احوال ومشاہدات

دوسرا باب .... افکار وکارنامے

تیسرا باب .... تحقیقات وتصنیفات

چوتھا باب .... امام احمد رضا اور صدر الشریعہ

پانچواں باب .... فضائل ومناقب

صفحات .... ۲۸۸ قیمت .... ۱۰۰ر روپے

ملنے کا پتہ: دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ، یوپی۔ ۲۷۶۴۰۴